اشعار جدید

(REVISED)

دورِ حاضرہ کے اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

مرتبہ

سید حسن ایم۔ اے (گولڈ میڈلسٹ) ڈیپ ایڈ

لکچرار شعبۂ اُردو و فارسی۔ بہار نیشنل کالج بانکی پور پٹنہ

پبلشر

نیشنل پریس

الہ آباد

بار دوم

قیمت ۱۲ر

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپی

فہرست مضامین

اختر اورینوی

۱۔ نوائے زندگی

قدم آگے آگے بڑھاتا چلا جا   عزائم کے پرچم اُڑاتا چلا جا
زمین و زماں پر تو چھاتا چلا جا   خدائی پہ قبضہ جماتا چلا جا
دو عالم پہ سکہ بٹھاتا چلا جا

قیودِ غلامی مٹاتا چلا جا   قصورِ تکبر گراتا چلا جا
سلاسل کے پرزے اُڑاتا چلا جا   مفاسد کی بنیاد ڈھاتا چلا جا
نئی ایک دنیا بساتا چلا جا

خمارِ تغافل سے سب کو جگانا   تباہی کے عفریت کا خون بہانا
فلاکت زدہ بستیوں کو جلانا   شبابِ ظفرمند کے گیت گانا
ترقی کو رستہ دکھاتا چلا جا

کہیں قیصری کے مظالم سے آہیں   یہ سرمایہ داری کی مہلک نگاہیں
شقاوت سعادت کی روکے ہوئے راہیں   شیاطین کے پنجوں میں انساں کراہیں
بغاوت کے طوفاں اٹھاتا چلا جا

دل و دست و بازو کو فولاد کر دے   مصائب کی دنیا کو برباد کر دے

مسرت سے عالم کو آباد کر دے
بنی نوعِ انساں کو دل شاد کر دے
ہر اک گام پہ گُل کھلاتا چلا جا

جہاں گر نہیں تیری عظمت کا قائل
زمانہ اگر ہے ستانے پہ مائل
حوادث کے زخموں سے گر ہے تو گھائل
مصائب کے دریا جو ہوں رہ میں حائل
شجاعت کے جوہر دکھاتا چلا جا

فراغت پہ کیا کہہ دیا تو نے ہمدم
نہیں ہے مرے زخمِ دل کا یہ مرہم
فراغت ہے روحِ بشر کے لئے سم
عمل زندگی ہے عمل قاتلِ غم
تو رہوارِ ہمت بڑھاتا چلا جا

صداقت کا جب لُٹ رہا ہو خزانہ
ہو ایثار کا بدلہ جب تازیانہ
نگاہِ وفا جب محض ہو فسانہ
محبت کی نظریں بھی ڈھونڈیں بہانہ
شرربار نغمے سُناتا چلا جا

فسردہ ہوں جب نوجوانوں کے تیور
نیاموں میں مرتے ہوں شمشیر و خنجر
سمجھتا ہو جب سامنے آ کے عنتر
دکھا بڑھ کے میداں میں تو زورِ حیدرؑ
رجز پڑھتا لڑتا لڑاتا چلا جا

نہ احساس کو دے فریبِ مسرت
جنوں ہے فراغت مرض ہے فراغت
نہیں سرخوشی میں ہے پابندِ راحت
عمل میں ہے جنت عمل سے ہے جنت
جہنم کو جنت بناتا چلا جا

فریبِ مے و نغمہ کھانے سے حاصل　　حسینوں کے جلوے بلا کے ہیں قاتل
فراغت فسوں ہے تعیّش ہے باطل　　ہے منزل کا دھوکا نہیں ہے یہ منزل
فریبوں کے پردے ہٹاتا چلا جا

نہ غم زندگی ہے، نہ سم زندگی ہے　　میں کیوں مان لوں پُر الم زندگی ہے
ہے دل جامِ جم، جامِ جم زندگی ہے　　مجاہد کی تیغ دو دم زندگی ہے
روانیِ تیغ آزماتا چلا جا

....

۲۔ جلوۂ فطرت

یہ وادی کی خموشی، یہ ترنم سازِ قدرت کا
یہ مدہوشی فضاؤں کی، یہ حیرت خانہ قدرت کا
بہارِ بے خزاں جنگل کی چشمک زن ہے رضواں پر
ہزاروں جنتیں آباد ہیں صحرا کے داماں پر
شجر رنگیں، ثمر رنگیں، طیورِ نغمہ خواں رنگیں
اُفق رنگیں، فضا رنگیں، زمیں تا آسماں رنگیں

حسین کہسار کی آغوش میں فطرت کی عریانی
اچھوتے، دلربا، پُر کیف جلوؤں کی فراوانی
وہ جلوے جن سے دل لبریز ہو جاتا ہے مستی سے
اثر سے جن کے وجدان آشنا ہو رازِ ہستی سے
نمو اندر نمو ہے زندگی کی جلوہ فرمائی
سبو اندر سبو ہر پھول کی مستانہ رعنائی
حقیقت حُسن سے مل کر گلے وادی میں رقصاں ہے
یہاں ہر خار سے پیدا جمالِ صد گلستاں ہے
پہاڑوں کے عُلو میں ہے شکوہِ زندگی پیدا
یہ جنگل ہے کہ بے پایانیِ ہستی کا اک نقشا
درختوں کی سر افرازی پیامِ زندگانی ہے
یہ خاموشی با معنی زبانِ بے زبانی ہے
ہرن کی آنکھ افسانہ سُناتی ہے محبت کا
طیورِ خوش نوا پڑھتے ہیں کلمہ عشق و اُلفت کا
جگر کا چاک فطرت کے شفا خانے میں سلتا ہے
دلِ بیتاب کو سرمایۂ تسکین ملتا ہے





حامداللہ افسر

۲۔ افسر میرٹھی

۱۔ نسیمِ سحر

ہنگامِ صبح ناز سے بادِ صبا چلی ہر جا بسمت باغ میں کلیاں کھلا چلی
جس پھول کے قریب سے گزری ہنسا چلی سبزہ جو خواب میں تھا اُسے بھی جگا چلی
کلیوں سے چھیڑ کرتی چلی گدگدا چلی ہر گل سے کھیلتی ہوئی بادِ صبا چلی
پودوں نے گود میں جو لیا تو لپٹ گئی
شرمائی اور لجائی گھٹی اور سمٹ گئی

اک سانس لے کے پھر روشوں سے گزر چلی بے خوف بے ہراس چلی بے خطر چلی
دامن ہزار طرح کی خوشبو سے بھر چلی شبنم سے چھو کے بھیگ گئی تر بتر چلی
غنچوں کو چھیڑ چھیڑ کے شرمندہ کر چلی کس ڈھنگ سے چمن میں نسیمِ سحر چلی
اک کنج میں جو پہنچی تو گھبرا کے رہ گئی
گل تو بہت سے کھا گئے پر بل کھا کے رہ گئی

پھر کنج سے نکل کے بہت ناتواں چلی اور خشک پتّوں کا لئے کارواں چلی
کچھ ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھرے پیچاں چلی بیرونِ باغ صورتِ گردِ رواں چلی
خاک اس قدر اڑی کہ بہت ہی گراں چلی یہ کون جانتا ہے چمن سے کہاں چلی
افسر صبا ہر ایک کو مسرور کر گئی
کیفیتوں سے روح کو معمور کر گئی

۳۔ علامہ اقبال

۱۔ عہدِ طفلی

تھے دیارِ نو زمین و آسماں میرے لیے — وسعتِ آغوشِ مادر اک جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبش نشانِ لطفِ جاں میرے لیے — حرفِ بے مطلب تھی خود میری زباں میرے لیے

دورِ طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے
شورشِ زنجیرِ در میں لطف آتا تھا مجھے

تکتے رہنا ہائے! وہ پہروں تلک سوئے قمر — وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پا اس کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اس کے کوہ و صحرا کی خبر — اور وہ حیرت دروغِ مصلحت آمیز پر

آنکھ وقفِ دید تھی لب مائلِ گفتار تھا
دل نہ تھا میرا سراپا ذوقِ استفسار تھا

۲۔ نیا شوالہ

سچ کہہ دوں اے برہمن اگر تو برا نہ مانے — تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا — جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا — واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے



ڈاکٹر سر محمد اقبال

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھکو ہر ذرّہ دیوتا ہے

آ غیریت کے پردے اِک بار پھر اُٹھا دیں — بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی — آ اِک نیا شوالہ اِس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ — دامانِ آسماں سے اِس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے — سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

۳۔ چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے — تارے کہنے لگے قمر سے
نظارے رہے وہی فلک پر — ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا — چلنا، چلنا، مدام چلنا
بیتاب ہے اِس جہاں کی ہر شے — کہتے ہیں جسے سکوں نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب — تارے، انساں، شجر، حجر سب

ہوگا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ، مرا انتظار دیکھ
کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تری اگر
ہر رہ گزر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ

۴۔ اکبر الہ آبادی

۱۔ روانیِ دریا

وہ سودی سخن گوئے شیریں مقال — جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال
لکھی اس نے ہے نظم اک لاجواب — دکھائی ہے شکلِ روانیِ آب
جو بہتا ہے پانیِ میانِ لُڈور — اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے — شگفتہ کیے اُن کے سب سلسلے
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانیِ دریائے فکر — کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہے نہیں اُن کی اِس پر نظر — کجا میں کجا سودیِ نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں



اکبر الہ آبادی

مرے پاس سرمایہ کافی نہیں   وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق   اِدھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط   معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط
موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں
مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقّتیں کہہ چکا پر ملا   غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا
اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا   اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
روانی میں اِک شور کرتا ہوا   رُکاوٹ میں اِک زور کرتا ہوا
پہاڑوں پہ سر کو ٹپکتا ہوا   چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا   یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا
پھٹکتا ہوا غُل مچاتا ہوا   وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا   یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
اِدھر جھومتا اور مٹکتا ہوا   اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا   بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا
وہ اونچے سُروں میں پنچم کا راگ   وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
سُدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا   ٹھُمکتا ہوا رقص کرتا ہوا
پلٹتا ہوا اور چمٹتا ہوا   یہ چھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا

یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا ‏ ‏ اترتا ہوا اور چڑھتا ہوا

یہ ہٹتا ہوا اور بچتا ہوا ‏ ‏ دباتا ہوا اور مچلتا ہوا

وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا ‏ ‏ وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا

گل و خار یکساں سمجھتا ہوا ‏ ‏ ہر اک سے برابر الجھتا ہوا

بہاتا ہوا اور بہتا ہوا ‏ ‏ ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا

بلندی سے گرتا گراتا ہوا ‏ ‏ نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا

اچھلتا ہوا اور اڑاتا ہوا ‏ ‏ اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا

وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا ‏ ‏ زمینوں کو شاداب کرتا ہوا

یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا ‏ ‏ وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا

یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا ‏ ‏ وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا دندناتا ہوا ‏ ‏ امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا

چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا ‏ ‏ سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا

ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا ‏ ‏ حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا

تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا ‏ ‏ شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا

یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں ‏ ‏ بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

وہ سودی کا سیلاب آبِ لڈور

یہ بحرِ خیالاتِ اکبر کا زور

۲- دربار ۱۹۱۱ء

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار
حکمِ حاکم سے ہوا تھا اجتماعِ انتشار

آدمی اور جانور اور گھر مزین اور مشین
پھول اور سبزہ چمک اور روشنی اور ریل و تار

کیروسین اور برق اور پٹرولیم اور نارسین
موٹر اور ایروپلین اور جمگھٹے اور اقتدار

مشرقی پہلو میں تھی خدمتگزاری کی امنگ
مغربی شکلوں سے شانِ خودپسندی آشکار

شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرر
زینت و دولت کی دیوی امپرس عالی وقار

بحرِ ہستی لے رہا تھا بیدریغ انگڑائیاں
ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہمکنار

انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے
تھی پئے اہلِ بصیرت باغِ عبرت میں بہار

ذرے ویرانوں سے اٹھتے تھے تماشا دیکھنے
چشمِ حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار

مصلحت آمیز ہر طرز و طریقِ انتظام
حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار

جامے سے باہر نگاہِ نازِ فتاحانِ ہند
حدِ قانونی کے اندر آنریبلوں کی قطار

خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا
فکرِ ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی الفرار

دعوتیں، انعام، سپیچیں، قواعد، فوج، کیمپ
عزتیں، خوشیاں، امیدیں، احتیاطیں، اعتبار

پیش رو شاہی تھی پھر ہز ہائنس پھر اہلِ جاہ
بعد اس کے شیخ صاحب ان کے پیچھے خاکسار

--------<-->·*·<-->--------

۳۔ غزل

اکبر اس فطرتِ خاموش کو بےحس نہ سمجھ
ہاں بصیرت سے تہی دیدۂ نرگس نہ سمجھ

راحتِ زیست کے سامان سے دھوکے میں نہ آ
امتحاں گاہ کو تو عیش کی مجلس نہ سمجھ

جاہ و منصب میں نظر عاقبتِ کار پہ رکھ
خاتمہ جس کا ہو افسوس اسے آفس نہ سمجھ

صبر کے ساتھ مصیبت میں جو ہو حسنِ عمل
بہرِ انجام یہ امرت ہے اسے بس نہ سمجھ

دل کا دنیا کی امیدوں سے بہلنا ہے برا
زندگی تلخ کریں گی انھیں مونس نہ سمجھ

۴۔ قطعات

(۱)

ہم کو نئی روش کے حلقے جکڑ رہے ہیں
باتیں تو بن رہی ہیں اور گھر بگڑ رہے ہیں

ذاتی ترقیاں ہیں قومی ہے یا تنزل
گرہیں یہ کھل رہی ہیں یا پیچ پڑ رہے ہیں

ٹانکے وہ لگ رہے ہیں جو کرتوں میں ٹوٹیں
بخیے جو فطرتی تھے وہ اب اُدھڑ رہے ہیں

سطحِ زمیں سے پوچھو کیا مل رہا ہے اُس کو
نظروں میں پھلجھڑی سے گو پھول جھڑ رہے ہیں

چلتی تو ہیں زبانیں اور بھرتے ہیں شکم بھی
لیکن اُمید کیا ہو جب دل اُجڑ رہے ہیں

یہ زیورِ معانی کس کی کریں گے زینت
لفظوں کے یہ نگینے کیوں آپ جڑ رہے ہیں

(۳)

نامہ کوئی نہ یار کو پیغام بھیجیے — اس فصل میں جو بھیجیے بس آم بھیجیے
ایسے ضرور ہوں کہ انہیں رکھ کے کھا سکیں — پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجیے
معلوم ہی ہے آپ کو بندہ کا ایڈریس — سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجیے
ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں
تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجیے

۵۔ بسمل عظیم آبادی

۱۔ اُردو

مائلِ زمزمہ ہو جائے ہزارِ اُردو — جس طرف دیکھیں نظر آئے بہارِ اُردو
گلِ دستارِ کمالات ہے خارِ اُردو — شرحِ تفہیمِ حقائق ہے غبارِ اُردو
ضامنِ عیش و طرب بادہ گسارِ اُردو — رونقِ بزمِ ادب روئے نگارِ اُردو
دلربائی چمن کیف بہارِ اُردو — جوششِ آتشِ گل فیضِ شرارِ اُردو
ساقیٔ میکدۂ علم ہے یارِ اُردو — اور ہر رند ہے پیمانہ گسارِ اُردو
عربی ہندی و انگریزی نگارِ اُردو — ترکی و فارسی بھی زیبِ کنارِ اُردو
وام ہیں اس کے لیے دنیا کی زبانیں ساری — سچ تو یہ ہے کہ زمانہ ہے شکارِ اُردو

آئینہ بخت سکندر کا ہے اُردو کا جمال
روکشِ ساغرِ جم مُشتِ غبارِ اُردو

زندہ دل جو ہیں جہاں میں ہیں فدائی اس کے
اپنا کر لیتا ہر اک کو ہے شعارِ اُردو

اللہ اللہ یہ سجاوٹ یہ بناوٹ یہ پھبن
جو نظر آیا - نظر آیا نثارِ اُردو

کلمہ پڑھتے ہیں اسی کا ہوں مسلماں کہ ہنود
قابلِ رشک ہے اب عزّ و وقارِ اُردو

لکھنؤ دہلی کی اب قید نہیں ہے باقی
مل کے سب لوٹتے رہتے ہیں بہارِ اُردو

ہند ہی پر نہیں موقوف ہے قبضہ اس کا
کابل و مصر و عدن بھی ہیں دیارِ اُردو

لُطفِ معنی بھی ہے اور تازگی لفظ بھی ہے
قابلِ دید ہے اب باغ و بہارِ اُردو

روسی و رومی و انگریز قصیدہ خواں ہیں
ایک بیدل ہی نہیں وصف نگارِ اُردو

۲- زبانِ خنجر

دیکھو جو غور سے مجھے رحمتِ کردگار ہوں
حافظِ جان و آبرو خنجر آبدار ہوں

یارِ سپاہِ جاں سپار ناصرِ مردِ کارزار
جانِ پیادہ و سوار نایبِ نجبت و زار ہوں

زیورِ دستِ جنگجو برق بہ خرمنِ عدو
زینتِ دوشِ ماہرو۔ نازِ و غرورِ یار ہوں

آتے ہیں سر کے بل یہاں میری ہی دید کیلئے
میں ہی تو قتل گاہ میں رشکِ گلِ بہار ہوں

خون ہر شہیدِ عشق اس پہ گواہ ہیں کہ میں
نخل امد بہار ہوں شاخِ ثمر نثار ہوں

غنچۂ دل مرے بغیر ہو گا شگفتہ کیا مجال
پوچھ لو سر فروش سے رو کشِ لالہ زار ہوں

دیکھ کے میری ہر ادا کرتے ہیں جان و دل فدا
زندہ دلانِ با وفا ۔ سرو کرشمہ بار ہوں

غمزدگانِ جاں بلب کرتے ہیں بس مری طلب
مزرعِ یاس کے لیے آمدِ نو بہار ہوں

دلبر و دلربا ہے خم دل کش و دل کشا ہے دم
آبِ شراب جامِ جم فتنۂ روزگار ہوں

میری ادا میں دل کشی شان ہے میری اک نئی
میرا اثر یہ ساحری دلبرِ سحر کار ہوں

قبضہ میں خود ہی گو رہا اوروں کو کرتا ہوں رہا
بند میں گو ہوں ظاہرا اصل میں رستگار ہوں

۲۰

میری صدائے دلربا ہمت و ولولہ فزا
میری ہر اک ادا قضا غمزہ کہ جاں شکار ہوں

ملتے ہیں مجھ سے جب گلے زندہ دل اور منچلے
کرتے ہیں سہو سب گلے ۔ دلبر ہوشیار ہوں

مجھ سے کوئی کھنچے تو کیا بڑھ کے میں اُس سے مل ہی لیا
سوختہ دل ہوں جاں بلب عاشقِ بیقرار ہوں

دیکھ کے حالتِ شہید کھاتے ہیں خوف عشق سے
بوالہوسوں کے واسطے دیدۂ اعتبار ہوں

ڈرتے ہیں مجھ سے بزدلے ان کا عدوئے جاں ہوں میں
میرے رفیق شیر دل اُن کا میں جاں نثار ہوں

بیدل سر فروش سے ملتا ہوں شوق سے گلے
جو نہ الگ ہو مرتے دم ہاں وہ وفا شعار ہوں

۳۔ موسمِ بہار

شعاعِ خورشید موسمِ گل سے ذرّہ ذرّہ ہے جلوہ پیرا
بہارِ گلشن کی آمد آمد منا رہا ہے چمن کا نقشا

کہیں ہیں شبنم سے دُر و گوہر ورق ورق پہ بکھر گئے ہیں
کہیں ہے آبِ رواں کی چادر کہیں پہ مخمل کا ہے بچھونا

عجب ہے عالم میں دورِ مستی، ہر اک ہے مشغولِ مے پرستی
گلاب ساغر بکف اگر ہے تو دستِ لالہ میں ہے پیالہ

قسم ہے بلبل کی عاشقی کی، غضب ہے رنگت کلی کلی کی
یہ چہرے ہنستے ہوئے گلوں کے، یہ رنگ نکھرا ہوا چمن کا

ادھر وفورِ شمیمِ گل ہے، اُدھر کمالِ نموئے لالہ
مہک رہا ہے تمام گلشن، لہک رہا ہے تمام صحرا

جنوں فزا کوک کوئلوں کی، غضب پپیہا کی پی کہاں ہے
چٹک کلی کی ہے ایک آفت ستم ہے بلبل کا ہر ترانا

کسی کا دل رنگ و بو پہ مائل، کوئی ہے زر ہائے گل سائل کا
غرض ہر اک عاشقِ ستم کش کے دل میں ہے آج اک تمنا

شگوفہ ریزیِ شاخِ گُل میں عجیب اِک طرزِ دلنشیں ہے
خرامِ نازِ نسیمِ دلکش، صبا کی رفتار راحت افزا

ریاضِ عالم کی لالہ کاری ہوئی ہے سامانِ عیش و شادی
چمک رہا ہے ہر ایک چہرہ، دمک رہا ہے رُخِ تمنّا

سماں گُلستاں کا جانفزا ہے، نظر فریب اس قدر فضا ہے
کہ نہر گلشن بھی بُلبُلوں سے کئے ہے وا دیدۂ تماشا

گلوں سے شاخیں بھری ہوئی ہیں ثمر پھلوں سے لدے ہوئے ہیں
کلی کلی ہے ورق ورق میں خدا کی قدرت کا اِک نمونا

نہاں ہر اِک شئے میں رازِ حکمت ہر ایک ذرّہ میں سِرِّ صنعت
مگر وہی سمجھے یہ حقیقت ہو اُس کی قدرت کا ہو شناسا

بہار ہو یا خزاں ہو بیدل ہر ایک حالت میں اک مزا ہے
جو سِرِّ جلوہ سے باخبر ہیں، اُنھیں پہ یہ راز ہے ہویدا

۴۔ انقلاب

بے نظیر و بے مثال و لا جواب — انقلاب! اے انقلاب اے انقلاب!
تجھکو دیتے ہیں دعائیں شیخ و شاب — " زندہ باد اے انقلاب! اے انقلاب!

تیری طفلی میں جوانی کی بہار — تیری پیری رو کشِ عہدِ شباب
تیری الفت ضامنِ عیش و نشاط — تیرا شیدا کامران و کامیاب
تجھ سے روشن ہے چراغِ زندگی — تجھ سے سرگرمی و جوش و التہاب
بے نواؤں سے محبت ہے تجھے — مالداروں سے ہے تجھکو اجتناب
کردیا زائل سکونِ بے بسی — بھر دیا سینوں میں جوش و اضطراب
دستگیری تو نے کی مجبور کی — کر دیا جابر کو برباد و خراب
تو دیا کرتا ہے بے خوف و ہراس — بادشاہوں کو برابر کا جواب
شوکتِ شاہی کنیزِ زر خرید — بادشاہت خانہ زادِ انقلاب
بندگی تیری حریفِ سروری — اور غلامی بادشاہت کا جواب
تختِ زر اک تختۂ ہیزم بنا — تاج شاہی ہوگیا تاجِ حباب
ہوش میں زر مست عالم آگئے — ہوش زا ہے تیرے شیشے کی شراب
تیرا مسلک ہے مساواتِ اتم — تیرا مذہب مقصدِ ام الکتاب
اک غلط فہمی میں تھا سارا جہاں — تو نے بتلایا صواب و ناصواب

دے رہا ہے تجھکو بیدل بھی دعا
شاد و باش و زندہ باد اے انقلاب

۵۔ تمنا پھلواروی

۱۔ رازِ کامیابی

کہہ دیا صاف کہ سُننے کی نہیں تاب ہمیں
طعنۂ ضعف نہ دیں بیٹھ کے احباب ہمیں

سر و ساماں نہ سہی حق کو نہیں خوفِ شکست
ہے یہ معلوم کہ ہونا ہے ظفریاب ہمیں

اپنا شیرازۂ قومی ہے فقط دینِ مبیں
کہ بتائے گئے اوطان نہ انساب ہمیں

نغمۂ فتح و ظفر چھیڑ دے تارِ رگِ جاں
ضربِ شمشیر ہے زخمۂ مضراب ہمیں

عینکِ سعی و عمل، سُرمۂ تسلیم و رضا!
کیوں نظر آئیں نہ اُمید کے ابواب ہمیں

موجِ دریا جو کبھی تیغ اُٹھائے ہم پہ
ڈھال تک لے بن کے سپر حلقۂ گرداب ہمیں

باغ کو چھوڑ دیں یا پھوڑ لیں آنکھیں اپنی
دیکھ سکتے جو نہیں باغ میں شاداب ہمیں

ہر سبب کا جو مسبّب ہے وہ رب ہے اپنا
کوئی سمجھے نہ کبھی بندۂ اسباب ہمیں

ہم تمنّا ہیں نہ تمنا ہی ہے پھٹکار سے دنیا
چاہئیں ساتھ نہ آداب نہ القاب ہمیں

۳۔ اسلام اب کہاں رہتا ہے

کل جو اِک سنسان جنگل میں ہوا میرا گزر
آہ اِک ٹوٹی سی مسجد دور سے آئی نظر

اِک کشش پیدا ہوئی ایسی کہ میں بے ساختہ
اُس کی جانب کھنچ چلا دل باختہ جاں باختہ

جا کے دروازے کے اندر جب رکھا میں نے قدم
صحن میں گھانسوں کو پایا قدِ آدم سے کم

جم گئی تھیں کائیاں گچ کی ہوئی دیوار پر
سبز مخمل کا غلاف اک تھا چڑھا مینار پر

ایک کونے میں تھا اک پختہ کنواں بدتر نہ خام
غسل خانہ ایک گوشے میں قریب الانہدام

آشیانے طائروں کے تھے کئی محراب میں
جاگتے تھے جن میں کچھ بچے تو کچھ تھے خواب میں

سر سے پا تک بے مرمت تھی وہ بے تعمیر تھی
الغرض مسجد نہ تھی حسرت کی اک تصویر تھی

مجھ کو اک حیرت ہوئی یہ ہُو کا عالم دیکھ کر
گھر کو مالک کے غم و یاس مجسّم دیکھ کر

صحن میں آ کر میں سوئے آسماں تکنے لگا
جوشِ غمناکی میں آ کر اس طرح بکنے لگا

پہلے جو کچھ شک و شبہ تھا وہ زائل ہو گیا
آج تیری بے نیازی کا میں قائل ہو گیا

کالعدم اسلام اور مفقود ایماں ہو تو ہو
اپنے گھر کی بھی نہیں پروا ہے ویراں ہو تو ہو

میں اسی خفگی میں تھا گویا کہ اک خوش رو جواں
ایک گوشے سے اسی مسجد کے نکلا ناگہاں

صحن مسجد رشکِ عرشِ معلّٰی ہو گیا
محوِ حیرت تھا جو میں محوِ تجلّٰی ہو گیا

ہائے وہ قامت کی سج دھج اُس پہ وہ زلفِ دراز
ابروئے پُر خم تنے، چتون پہ بَل، تیور میں ناز

چینِ پیشانی پہ صدقے سو ہلالِ ماہِ عید
چشم حق بیں وہ، کہ جس کے پیرِ کنعاں بھی مرید

ساعدِ سیمیں مصفا صورتِ شاخِ بلور
سینۂ صافی مثالِ سطحۂ دریائے نور

ہو ابھی محشر بپا انداز یہ رفتار کا
آرزوئیں جی اٹھیں اعجاز یہ گفتار کا

عرض کی میں نے، کہ اے سرمایۂ حسن و جمال
سچ بتا مجھ کو کہ ہے تو کس چمن کا نونہال

اِس گھنے جنگل میں پیارے کیا غرض رکھتا ہے تو
ہائے یہ سنسان مسجد اور تجھ سا خوبرو

حور ہے تو یا فرشتہ یا پری زادوں میں ہے
یا ہمیں ناکام جیسے خانہ بربادوں میں ہے

کھینچ کر اِک آہ اُس نے تھام کر ہاتھوں سے دل
کیا کہوں کیوں کر سنایا یہ جوابِ جاں گسل

میں فرشتہ ہوں نہ جنّ و انس اِک ناکام ہوں
میں زمانے کا ستایا مذہبِ اسلام ہوں

اب جگہ ملتی نہیں لوگوں کے دولت خانوں میں
اِس لئے رہتا ہوں میں چھپ کر کے جنگلوں ویرانوں میں

۳۔ اُخوتِ دینی

ہم نے مانا ایک دن جانا ہے سب کو زیرِ خاک
وقت سے پہلے نہیں ہوتے ہیں عاقل خود ہلاک

اے مسلمانو! نتیجہ جز تشتّت کچھ نہیں
فرقہ وارانہ یہ تنظیمیں ہیں بے حد خوفناک

فرقہ پرور لیڈروں کو حلوے مانڈے چاہئیں
قوم و ملت کی تباہی کا نہیں کچھ ان کو باک

ہے قبائل کا تعارف تو نگہدارِ حقوق
اِس سے اسلامی اُخوت کا گریباں کیوں ہو چاک

بھول بیٹھے لوگ کیوں دینی محبت کا مزا
کیوں ہے بے معنی نسب کے ساتھ اتنا انہماک

آتشِ رشک و حسد سے جل رہے ہیں کیوں عدو
جس طرح جلتا ہے سا کھو بن میں جب کھلتا ہے ڈھاک

ہم مسلمانوں سے کیوں پوچھے کوئی آکر نسب
ماں ہماری دینِ برحق، باپ ہے قرآنِ پاک

ایک بھنگی بھی اگر اسلام لا کر پاس آئے
اپنے اُس بھائی کو لپٹا کر کہوں "روحی فداک"

۷۔ جمیل مظہری

۱۔ پابندی اخلاق

اے وہ کہ بہت توڑیں تو نے فطرت کی پنہائی زنجیریں
جو زنجیریں خود پہنی ہیں اے کاش انھیں توڑا ہوتا

تخئیل غلط آزادی کی جب فطرت خود آزاد نہیں
آزاد اگر ہوتی فطرت تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا

پابند نہ ہوتی گر یہ زمیں سورج سے جا کر مل جاتی
سرچشمۂ مہرِ تاباں میں یہ قطرہ ڈوب چکا ہوتا

پابند نہ ہوتے گر تارے تو آپس میں ٹکرا جاتے
سارا یہ طلسمِ ارض و سما اِک پل میں ٹوٹ گیا ہوتا

پابند نہ ہوتی گر یہ ہوا چلتی اک ایسی تیز آندھی
ذرّات میں اک ہلچل ہوتی شیرازۂ گل بکھرا ہوتا

گرمیٔ عمل محدود رہے، ہے فلسفۂ اخلاق یہی
اے کاش حقیقت کو تو نے زنجیروں کی سمجھا ہوتا

۲۔ شاعر کی تمنّائیں

اگر اس گُلشنِ ہستی میں ہونا ہی مقدّر تھا
تو میں غنچوں کی مٹھی میں دلِ بُلبُل ہوا ہوتا

ہوا ہوتا کسی دستارِ کج پر پھول طُرّے کا
اور اُس دستارِ کج کی تمکنت پر ہنس رہا ہوتا

کسی مغرور کی گردن پہ ہوتا بوجھ احساں کا
کسی ظالم کے دل میں درد بن کر لا دوا ہوتا

کسی بھٹکے ہوئے راہی کو دیتا دعوتِ منزل
بیاباں کی اندھیری شب میں جوگی کا دیا ہوتا

کسی کے کلبۂ احزاں میں شمعِ مضمحل بن کر
کسی بیمار مفلس کے سرہانے رو رہا ہوتا

شرر بن کر کسی نادار گھر کے سرد چولھے میں
بصد اُمیدِ فردا زیرِ خاکستر دبا ہوتا

یتیمِ بے نوا کی رہگذر پر اشرفی بن کر
لئیمِ فاقہ کش کی جیبِ مُمسِک سے گرا ہوتا

شکستہ جھونپڑے میں بانسری دہقان کی بن کر

سکوتِ نیم شب میں رازِ ہستی کہہ رہا ہوتا
غرض اِس حسرت و اندوہ و یاس وغم کی بستی میں
کہیں دردآفریں ہوتا کہیں درد آشنا ہوتا

۸۔ جوش ملیح آبادی

۱۔ بدلی کا چاند

خورشید وہ دیکھو ڈوب گیا، ظلمت کا نشان لہرانے لگا
مہتاب، وہ ہلکے بادل سے، چاندی کے ورق برسانے لگا
وہ سانولے پن پر میداں کے، ہلکی سی صباحت دوڑ چلی
تھوڑا سا ابھر کر بادل سے وہ چاند جبیں جھلکانے لگا
لو ڈوب گیا پھر بادل میں، بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے
لو پھر وہ گھٹائیں چاک ہوئیں، ظلمت کا قدم تھرّانے لگا
بادل میں چھپا، تو کھول دیئے، بادل میں دریچے ہیرے کے
گردوں پہ جو آیا، تو گردوں دریا کی طرح لہرانے لگا
سمٹی جو گھٹا، تاریکی میں چاندی کے سفینے لے کے چلا
سرکی جو ہوا، تو بادل کے گرداب میں غوطے کھانے لگا

غُرفوں سے جو جھانکا گردوں کے، امواج کی نبضیں تیز ہوئیں
حلقوں میں جو دوڑا بادل کے، کہسار کا سر چکرانے لگا
پردہ جو اُٹھایا بادل کا، دریا پہ تبسم دوڑ گیا
چلمن جو گرائی بادل کی، میدان کا دل گھبرانے لگا
اُبھرا تو تجلّی دوڑ گئی، ڈوبا تو فلک بے نور ہوا
اُلجھا تو سیاہی دوڑا دی، سُلجھا تو ضیا برسانے لگا
کیا کاوشِ نور و ظلمت ہے، کیا قید ہے، کیا آزادی ہے
انساں کی تڑپتی فطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا

۲۔ گرمی اور دیہاتی بازار

دوپہر، بازار کا دن، گاؤں کی خلقت کا شور
خون کی پیاسی شعاعیں، روح فرسا، لُو کا زور
آگ کی رَو، کاروبارِ زندگی کا پیچ و تاب
تُند شعلے، سُرخ ذرّے، گرم جھونکے، آفتاب
شور، ہلچل، غلغلہ، ہیجان، لو، گرمی، غبار
بیل، گھوڑے، بکریاں، بھیڑیں، قطار اندر قطار
مکھیوں کی بِھنبھناہٹ، گڑ کی بُو، مرچوں کی دھانس

خربوزے، آلو، کھلی، گیہوں، کدو، تربوز، گھانس
دھوپ کی شدت، ہوا کی یورشیں، گرمی کی رو
کملیوں پر سرخ چانول، ٹاٹ کے ٹکڑوں پہ جو
گرم ذرّوں کے شدائد، جھکڑوں کی سختیاں
جھکڑوں میں کھانستے بوڑھوں کی چلموں کا دھواں
ماؤں کے کاندھوں پہ بچے، گردنیں ڈالے ہوئے
بھوک کی آنکھوں کے تارے پیاس کے پالے ہوئے
بام و در لرزے ہوئے، خورشید کے آفات سے
ہر نفس اک آنچ سی اُٹھتی ہوئی ذرّات سے
مرد و زن گردش میں چیلوں کی صدا سنتے ہوئے
چلچلاتی دھوپ کی رو میں پکنے بھُنتے ہوئے
بیان سے موسم کی تیغ بے اماں نکلی ہوئی
پیاس سے انسان و حیواں کی زباں نکلی ہوئی
کے مارے بام و در کی روح گھبرائی ہوئی
دو ستوں کی شکل پہ میکا نکی چھائی ہوئی
ن شفا بھی سایۂ اشجار سے چھنتی ہوئی
بے مروّت کی سپاٹ آنکھوں کی جیسے روشنی

آسماں پہ ابر کے بھٹکے ہوئے ٹکڑوں کا رم
نشے میں ممسک کے جیسے وعدۂ جود و کرم

ہر روش پہ چڑچڑاپن، ہر صدا میں بے رُخی
ہر جگر بُھنتا ہوا، ہر کھوپڑی پکتی ہوئی

سر پہ کافر دھوپ، جیسے روح پر عکسِ گناہ
تیز کرنیں، جیسے بوڑھے سود خواروں کی نگاہ

۹۔ مولانا محمد علی جوہر

۱۔ غزل

تجھے تسکینِ دل پایا، تجھے آرامِ جاں پایا
نہاں بھی ہے تو کیا تجھ کو جہاں ڈھونڈھا وہاں پایا

ہمیں ہر چیز میں آئی نظر یارب ادا تیری
وہ کیسے ہوں گے جن لوگوں نے تجھ کو بے نشاں پایا

کوئی نامہرباں ہو کر ہمارا کیا بگاڑے گا
کرم تو تیرا ہے ہم پر، تجھے تو مہرباں پایا

ترا وہ مُبتلا ناکام سمجھا جس کو دنیا نے
اُسی کو سُرخرو دیکھا، اُسی کو کامراں پایا

عنادل ہیں چمن کی تیرے فصلِ گُل سے بے پروا

محبّت کو تری ہم نے بہارِ بے خزاں پایا
ہماری جان بھی حاضر ہے اُس کے اِک اشارہ پر
کہ جس کو اِک جہاں نے آپ ہی جانِ جہاں پایا
رہا آوارۂ دیر و حرم پہلو سے بیگانہ
دل اُس کا عرش و کرسی ہے کہاں ڈھونڈھا کہاں پایا
خجل خود خجلت تر دامنی سے ہو گئے عاصی
تری رحمت کو جب دیکھا تو بحرِ بیکراں پایا
جہاں ایماں ہو واں کیسے گزر ہو یاس و حرماں کا
کسی مومن کو بھی اے دل، خدا سے بدگماں پایا
نہیں سرکش کی سرکوبی میں وہ محتاج قوّت کا
اُسی کو چُن لیا جس کو ضعیف و ناتواں پایا
وہ ساقی جس نے تلچھٹ تک نہ رکھی فکرِ فردا میں
اُسے کوثر پہ ہم نے قبلہ گاہِ مے کشاں پایا
نہیں معلوم کیا ہو حشر جوہر کا پر اِتنا ہے
کہ ہاں نامِ محمدؐ مرتے دم وردِ زباں پایا

۲۔ غزل

نہ اُڑ جائیں کہیں قیدی قفس کے — ذرا پَر باندھنا صیّاد کس کے
نشانِ آشیاں کیا جس چمن میں — لگے ہوں ڈھیر ہر سو خار و خس کے
ملے اِک خم تو میخانہ سے ساقی — کہ ہم چھوٹے ہوئے ہیں دو برس کے
گراں ہو اب تو شاید سیرِ گُل بھی — کچھ ایسے ہو گئے خوگر قفس کے
ملی ہے قید آزادی کی خاطر — نہ پڑ جائیں کہیں دونوں کے چسکے
جو رہنا چاہے بندِ غم سے آزاد — پھنسے پھندے میں کیوں تارِ نفس کے
مے کہنہ ملے گی مسجدوں میں — یہ خمخانے ہیں تیرہ سو برس کے
فرشتوں نے کیا ہے اِن کو سجدہ — نہیں اے بُت یہ بندے تیرے بس کے
جو کھو بیٹھا متاعِ عزّتِ نفس — برابر ہو گیا مور و مگس کے
جو سچ ہے وعدۂ جودی تو یہ مینہ — کھلے گا اِک نہ اِک دن خود برس کے
نہیں باقی رہا جب پاسِ آئیں — مٹے سب تفرقے دزد و عسس کے
چمن تو ہم نے خود چھوڑا ہے گلچیں — گلے پھر کیا کریں قیدِ قفس کے

گیا اِتنے میں خود تارِ نفس ٹوٹ
تھے جو ہر منتظر اِک ہم نفس کے

۳۔ غزل

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور　　جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور
گر بوئے گُل نہیں نہ سہی یادِ گُل تو ہے　　صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور
آساں نہ تھا تقربِ شیریں تو کیا ہوا　　تیشہ کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور
ہم تک جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب　　یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی
اک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

۴۔ غزل

قید اور قید بھی تنہائی کی　　شرم رہ جائے شکیبائی کی
سوجھتا کیا ہمیں ان آنکھوں سے　　شرط تھی قلب کی بینائی کی
عقل کو ہم نے کیا نذرِ جنوں　　عمر بھر میں یہی دانائی کی
کر گئی زندۂ جاوید ہمیں　　تیغِ قاتل نے مسیحائی کی

کل کو ہے پھر وہی زنداں جوہر
ٹھیک کیا آپ سے سودائی کی

۱۔ چکبست

۱۔ وطن کی عظمت

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے　　دریائے فیضِ قدرت تیرے لئے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حُسنِ ازل عیاں ہے　　اللہ رے زیب و زینت! کیا اوجِ عزّ و شاں ہے

ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پُر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیہ کی

اس خاکِ دلنشیں سے چشمے ہوئے ہیں جاری　　چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں میں جب تھا وحشت کا ابر طاری　　چشم و چراغِ عالم تھی سرزمیں ہماری

شمعِ ادب نہ تھی جب یونان کی انجمن میں
تاباں تھا مہرِ دانش اس وادیِ کہن میں

گوتم نے آبرو دی اس معبدِ کہن کو　　سرمد نے اس زمیں پر صدقے کیا بدن کو
اکبر نے جامِ اُلفت بخشا اس انجمن کو　　سینچا لہو سے اپنے رانا نے اس چمن کو

سب سور بیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا اُن کی ہڈیاں ہیں

دیوار و در سے اب تک اُن کا اثر عیاں ہے　　اپنی رگوں میں اب تک اُن کا لہو رواں ہے



پنڈت برج نرائن چکبست

ابتک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے — فردوس گوش ابتک کیفیتِ اذاں ہے
کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ ابتک
شوکت سے بہ رہا ہے دریائے گنگ ابتک

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں — کرتے ہیں رقص ابتک طاؤس جنگلوں میں
ابتک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں — پستی سی آگئی ہے پر دل کے حوصلوں میں
گل شمعِ انجمن ہے، گو انجمن وہی ہے
حُبِّ وطن نہیں ہے، خاکِ وطن وہی ہے

برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا — دُنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خوابِ گراں ہمارا — اک لاشِ بےکفن ہے ہندوستاں ہمارا
علم و کمال و ایماں برباد ہو رہے ہیں
عیش و طرب کے بندے غفلت میں سو رہے ہیں

اے صورِ حبِّ قومی! اس خواب سے جگا دے — بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سُنا دے
مُردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے — اُٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھا دے
حُبِّ وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر
سر میں خمار ہو کر، دل میں سرور ہو کر

شیدائے بوستاں کو سروِ چمن مبارک — رنگیں طبیعتوں کو رنگِ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک — ہم بیکسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک

غنچے ہمارے دل کے اِس باغ میں کھلیں گے
اِس خاک سے اُٹھے ہیں اس خاک میں ملیں گے

ہے جوئے شیر ہم کو نورِ سحر وطن کا — آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا
ہے رشکِ مہر ذرہ اِس منزلِ کہن کا — تُلتا ہے برگِ گُل سے کانٹا بھی اس چمن کا

گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو



۲- رامچندر جی ماں سے رخصت ہوتے ہیں

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال
خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال
سکتہ سا ہو گیا ہے یہ ہے شدّتِ ملال

تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہے

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو میری جاں

سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں
کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں

سُن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز
اُس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز
لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادر ناشاد کے حضور
مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالم پیری میں ہے ضرور
لیکن نہ دل سے کیجئے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار
واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکر کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگِ روزگار
ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سبھی نہیں کہ اٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں
اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
بعد سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
قائم امید ہی سے ہے دنیا ہے جس کا نام
اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں
اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں
ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انھیں گراں
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں
وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائگاں

رکھتے ہیں جو عزیز اُنھیں اپنی جاں کی طرح
ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کی طرح
لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بیشمار
موقوف کچھ ریاض پہ اُن کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار
وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار
ہوتا ہے اُن میں فضل جو ربِّ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا
اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر
صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ۔ سفر ہو کہ ہو حضر
رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بے خبر
اُس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

۱۱۔ حسرت موہانی

۱۔ غزل

برکتیں سب ہیں عیاں دولتِ روحانی کی
واہ کیا بات ہے اُس چہرۂ نورانی کی

شوق دیکھے تجھے کس آنکھ سے اے مہر جمال
کچھ نہایت ہی نہیں تیری درخشانی کی

جب سُنا یاد کیا کرتے ہو تم بھی تو مجھے
کیا کہوں حد نہ رہی کچھ مری حیرانی کی

سعیٔ احباب کو ناحق ہے رہائی کا خیال
اور ہی کچھ ہے تمنّا ترے زندانی کی

رشکِ شاہی ہو نہ کیوں اپنی فقیری حسرتؔ
کب سے کرتے ہیں غلامی شہِ جیلانی کی

۲۔ غزل

مجھکو خبر نہیں کہ مرا مرتبا ہے کیا
یہ تیرے التفات نے آخر کیا ہے کیا

میری خطا پہ آپ کو لازم نہیں نظر
یہ دیکھیے مناسبِ شانِ عطا ہے کیا

دیکھو جسے ہے راہِ فنا کی طرف رواں تیری محل سرا کا یہی راستا ہے کیا
ہم کیا کریں نہ تیری اگر آرزو کریں دُنیا میں اور بھی کوئی تیرے سوا ہے کیا

روسنے لگے ابھی سے کہ ہے ابتدائے حال
تُم نے ابھی فسانۂ حسرتؔ سُنا ہے کیا

۳۔ غزل

تجھ سے ہے حُسن و جمالِ دو جہاں کی رونق
اے تری یاد مرے خانۂ جاں کی رونق

ہاں کُزیں جب سے ہوئی تیری محبت دل میں
بڑھ گئی اور بھی اس جنسِ گراں کی رونق

کیا نہیں شوقِ شہادت کو یہ کافی اعزاز
کہ مرا سر ہے ترے نوکِ سناں کی رونق

یاد ہیں اُس گلِ رعنا کے جو نکلے آنسو
بن گئے دیدۂ خونابہ فشاں کی رونق

شعر سے تیرے ہوئی مصحفیؔ و میرؔ کے بعد
تازہ حسرتؔ اثر و حسنِ بیاں کی رونق

۴- غزل

ہم پر بھی مثلِ غیر ہیں کیوں مہربانیاں — اے بدگماں یہ خوب نہیں بدگمانیاں
طاعت گزار ہوں دلِ حسرت پسند کا — ناکامیاں ہیں میرے لئے کامرانیاں
رنگِ بہارِ باغ ہے مہمانِ یک نفس — اے وائے عذر لیپ تری شادمانیاں
ٹھہرا ہے ضبطِ شوق پہ آکر معاملہ — اس درجہ آرزو کی ہوئیں بے زبانیاں

حسرت تری شگفتہ کلامی پہ آفریں
یاد آگئیں نسیم کی رنگیں بیانیاں

۵- غزل

آنکھوں کو انتظار سے گرویدہ کر چلے — تم تو یہ خوب کار پسندیدہ کر چلے
اظہارِ التفات کے پردے ہیں اور بھی — وہ عقدہ ہائے شوق کو پیچیدہ کر چلے
ہم بیخودوں سے چھپ نہ سکا رازِ آرزو — سب اُن سے عرضِ حالِ دلِ دزدیدہ کر چلے
تسکینِ اضطراب کو آئے تھے وہ مگر — بیتابیوں کی روح کو بالیدہ کر چلے

یہ طرفہ ماجرا ہے کہ حسرت سے مل کے وہ
کچھ جان و دل کو اور بھی شوریدہ کر چلے

۱۲-غزل

نہ ہو اُس کی خطا پوشی پہ کیوں نازِ گنہگاری
نشانِ شانِ رحمت بن گیا داغِ سیہ کاری
وفا سے دشمنی رکھ کر، مرے دل کی طلبگاری؟
بہت مشکل ہے اس جنسِ گرامی کی خریداری
وفورِ اشکِ پیہم سے ہجومِ شوق بیجا ہیں
مری آنکھوں سے ہے ہر اک آبشارِ آرزو جاری
خوشی سے ختم کر لے سختیاں قیدِ فرنگ اپنی
کہ ہم آزاد ہیں بیگانۂ رنجِ دل آزاری
وہ جرمِ آرزو ہے جس قدر چاہیں سزا دے لیں
مجھے خود خواہشِ تعزیر ہے ملزم ہوں اقراری
نسیم دہلوی کو وجد ہے فردوس میں حسرت
جزاک اللہ تیری شاعری ہے یا فسوں کاری

حفیظ جالندھری

شہر پومپی آئی کی آخری شب

سیاہی بن کے چھایا شہر پر شیطان کا فتنہ — گناہوں سے لپٹ کر سو گیا انسان کا فتنہ

چھپّر ہیں زری کے شامیانے خوش نصیبی کو — اڑھا دی سایۂ دیوار نے چادر غریبی کو

مشقّت کو سکھا کر خوبیاں خدمتگزاری کی — ہوئیں بھوت بے ایمانیاں سرمایہ داری کی

لیا آغوش میں پھولوں کی سیجوں نے امیری کو — مہیّا خاک ہی نے کر دیے آسن فقیری کو

تڑپنا چھوڑ کر چپ ہو چکے جی ہارنے والے — مزے کی نیند سوئے تازیانے مارنے والے

وہ روحانی و جسمانی عقوبت کم ہوئی آخر — غلامی بیڑیوں کے بوجھ سے بیدم ہوئی آخر

ہوئے فریادیوں پر بند ایوانوں کے دروازے — کہ خود محتاج درباں ہیں جہانبانوں کے دروازے

بڑے انداز سے جا سوئی غفلت پادشاہوں کی — سرور و کیف بن کر چھا گئیں نیندیں گناہوں کی

ربابِ خواب نے مسحور کیں جانیں مغنیوں کی — سُلا کر بزمِ مے کو سو گئیں تانیں گویوں کی

شرابیں ختم کر کے ہو گئے خاموش ہنگامے — بالآخر نیند آئی سو گئے پُرجوش ہنگامے

تھما جب زندگی کا جوش پر فاحش عمل جاگی — عمل کو دیکھ کر بدہوش پاداشِ عمل جاگی

اٹھایا موت نے قہرِ جہنّم کے دہانے سے — جہاں آتش کا دریا کھولتا تھا اک زمانے سے

بلندی سے تباہی کے ستارے نے کیا دھاوا — چٹانوں کے جگر سے پھوٹ نکلا آتشیں لاوا
دکھا دی آگ ایوانوں کو مظلومی کی آہوں نے — اُٹھائے شعلہ ہائے آتشیں بیکس نگاہوں نے
نہ حسن و عشق نے پائی اماں قہرِ الٰہی سے — دبی پاداش امیری سے فقیری سے نہ شاہی سے
اُٹھیں مختار بن کر بیکسی کے خون کی فوجیں — حصارِ موت نے محصور کر لیں جنگجو فوجیں
ستاروں کی نگاہوں نے دھواں اُٹھتا ہوا دیکھا
مگر خورشید نے کچھ بھی نہ مٹی کے سوا دیکھا

۲۔ سکوتِ کہسار

رفتہ رفتہ سرخیوں پر چھا گیا کالا غبار — مٹ گیا رنگِ شفق مرجھا گیا یہ لالہ زار
نور کے زرّیں ایوانوں میں تالے پڑ گئے — ارغوانی بدلیوں کے رنگ کالے پڑ گئے
شام آئی ہے سکوں کا جال پھیلائے ہوئے — ساحرہ بیٹھی ہے کالے بال بکھرائے ہوئے
کوہ پر ظلمات کی پریوں نے پر پھیلا دیے — ہر طرف تاریک دامن کھول کر پھیلا دیے
جھاڑیاں کالی ردائیں اوڑھ کر چھپ ہو گئیں — بند کلیاں اپنی خوشبو سے لپٹ کر سو گئیں
اس طرح او پیچھے پہاڑوں میں گھری ہیں وادیاں — جس طرح دیووں کے گھر میں قید ہوں شہزادیاں
اِک سہانے خمار مدہوشی ہوا میں بھر گئی — ایک سحرِ اسرارِ خاموشی فضا میں چھا گئی
سب زبانیں خامشیاں پا گئیں صدائیں سو گئیں — نغمے شیشے میں چھپ ہو گئیں خامشی کی گفتگو میں

۱۳۔ روشؔ صدیقی

۱۔ اے کشورِ ہندوستاں

اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں
اے خلد سے لائی ہوئی رنگیں بہاروں کے وطن
کوثر ہے جن میں موجزن اُن آبشاروں کے وطن
نازاں ہے جن پر ایشیا، اُن کوہساروں کے وطن
بے کیف تیرے سامنے افسانۂ باغِ جناں
اے کشورِ ہندوستاں
اونچا رہے تیرا نشاں
تھا زندگی کے نور سے معمور کاشانہ ترا
اے شمعِ تہذیبِ کہن، عالم تھا پروانہ ترا
خورشید و انجم کو ابھی ہے یاد افسانہ ترا
وہ عہدِ زرّیں آج تک بھولا نہیں ہے آسماں
اے کشورِ ہندوستاں
اونچا رہے تیرا نشاں

ہند و شیخ و برہمن، اُٹھے ہیں تیری گود سے
پروانۂ شمعِ وطن، اُٹھے ہیں تیری گود سے
غازی، مجاہد، صف شکن، اُٹھے ہیں تیری گود سے
جن کا غبارِ کارواں ہے آج خضرِ کارواں
اے کشورِ ہندوستاں
اونچا رہے تیرا نشاں

حُبِّ وطن کی لہر ہے بیگانۂ زنجیر پھر
ہلنے لگی ہے ظلم و استبداد کی تعمیر پھر
آزادیوں کے خواب میں دامن کشِ تعبیر پھر
پھر انقلابِ دہر نے بدلا ہے اندازِ جہاں
اے کشورِ ہندوستاں
اونچا رہے تیرا نشاں

پھر شعلہ افشاں زمزمے، آتش زنِ مضراب ہیں
پھر ولولوں کی تیز موجیں، عالمِ سیلاب ہیں
پھر نوجوانِ ہند کی ہر سانس میں بیتاب ہیں
بیداریوں کے قافلے، آزادیوں کے کارواں
اے کشورِ ہندوستاں
اونچا رہے تیرا نشاں

ہے زیبِ دامانِ شفق، خونِ شہیدانِ وطن
گہوارۂ خورشید ہے، چاکِ گریبانِ وطن
پیغمبرِ صبحِ وطن ہیں نوجوانانِ وطن ۲
افغان و خیزاں بھاگتی جاتی ہیں سب تاریکیاں
اے کشورِ ہندوستاں
اونچا رہے تیرا نشاں
جنت کو پھر تیری فضاؤں میں بسایا جائے گا
آزادیٔ افکار کا مژدہ سنایا جائے گا
انسانیت کا تجھ کو گہوارہ بنایا جائے گا
وہ دن بہت نزدیک ہے از فضلِ ربِّ دوجہاں
اے کشورِ ہندوستاں
اونچا رہے تیرا نشاں

۲۔ سلطانِ شہید

(مجاہدِ وطن ٹیپو سلطانِ شہید کی یاد میں)

اے شجاعِ ازل، اے ہند کے فرزندِ جلیل
زندگی خود ہے ترے ذوقِ شہادت کی قتیل
نامرادی تھی تری آئینِ وفا کی تکمیل

رزم آرا علمِ جنبشِ صداقت تجھ سے
زندہ ہے آج بھی مشرق کی شجاعت تجھ سے

لے گئی عشقِ وفا پہ تجھے تقدیر تری!
گونجتی ہے ابھی آفاق میں تکبیر تری!
عدل کے ہاتھ میں ہے آج بھی شمشیر تری!

لبِ اقوام پہ جاری ترا افسانہ ہے
سوزِ آزادیِ مشرق ترا پروانہ ہے

تو ہے وہ بحر جو شرمندۂ ساحل نہ ہوا
وہ مجاہد ہے جو آسودۂ منزل نہ ہوا!
مصلحت سے کبھی مانوس ترا دل نہ ہوا
عشق سے مرگ کے شعلوں کو بجھایا تو نے
جاودانہ ہستیِ فانی کو بنایا تو نے

تری جرأت تھی غمِ سود و زیاں سے آزاد
تو رہا گردشِ دورانِ جہاں سے آزاد
ہے تری یاد زماں اور مکاں سے آزاد
باطل افگن ہے ترا نعرۂ آزاد ابھی
ہے ترے نام سے لرزاں ستم ایجاد ابھی

ہند کو محرمِ اسرارِ وفا تو نے کیا
حقِ وفاداریِ مشرق کا ادا تو نے کیا
کام جو سب کا تھا اے مردِ خدا تو نے کیا
حلقۂ جادوئے افرنگ کو توڑا تو نے
ہند میں پنجۂ شیطاں کو مروڑا تو نے

حسرتِ سرعتِ نظمِ مہ و خورشید ہے پھر
واقعات کی کچھ اور ہی تمہید ہے پھر
ہاں ترا عہدِ وفا عازمِ تجدید ہے پھر
پھر ہے بیدار جلال و حشمِ آزادی
وقت کے ہاتھ میں ہے پھر علمِ آزادی

ہند میں آج جو یہ جلوۂ بیداری ہے
شعلۂ خونِ جگر تیرا ہی تو ساری ہے
یہ ترے شعلۂ ایثار کی گلکاری ہے



سرور جہان آبادی

سیرِ تکمیل ترا جذبِ تمام آ پہنچا
صبحِ آزادیِ مشرق کا پیام آ پہنچا

.......*.......

۱۴۔ سحرو جہاں آبادی

۱۔ بچپن کی یاد

تیرے ایاغ کا ہوں میں جرعہ خوار بچپن — باقی ہے تیری مے کا اب تک خمار بچپن
تیرے فراق میں ہوں میں بیقرار بچپن — کر لوں گلے لگا کر آ! تجھ کو پیار بچپن
کیوں مجھ سے روٹھ بیٹھا تیرے نثار بچپن

پھر خاک کا گھروندا آنگن میں میں بناؤں — چھوٹی سی اپنی کشتی پانی میں پھر بہاؤں
طفلی کے پیارے پیارے معصوم گیت گاؤں — پھر بانسری بجاؤں پھر جھنجھنا بجاؤں
دو دن کو اے جوانی دے پھر سے ادھار بچپن

وہ عہدِ بیخودی بھی پر درد گزرا کیا تھا — حسرت کی جب نظر سے ہر شے کو دیکھتا تھا
پنچھی کا جو نظارا تھا آرزو فزا تھا — قوسِ قزح کے پیچھے میں دن کو دوڑتا تھا
پھرتا تھا شب کو میں اشکبار بچپن

لو آئے ہائے طفلی جا کر کہاں یہ تمکین — اور پھر سے ساتھ کھیلیں [illegible]

تیرا خیال پھر بھی تسکیں فزا ہے لیکن   گلیوں میں دوڑتا تھا کس لطف کے تھے وہ دن
گھوڑے پہ اپنے ہو کر جب میں سوار بچپن

تو نے کیے ہوائی! طفلی کے کیا کھلونے   وہ میرے ننھے ننھے تسکیں فزا کھلونے
میں جن سے کھیلتا تھا وہ دلربا کھلونے   لا دے کہیں سے مجھ کو وہ خوشنما کھلونے
ان پیاری مورتوں کو ہلوں بے قرار بچپن

پیارا تھا باپ کا میں اور ماں کا لاڈلا تھا   گھر بھر میں پھول گویا میں اک گلاب کا تھا
صورت بھی دلربا تھی چہرہ بھی خوشنما تھا   یہ ننھے ننھے تلوے وہ ابھرا ابھرا ماتھا
بھولے نہیں وہ تیرے نقش و نگار بچپن

نت کی وہ گلے میں چھوٹی سی آہ ہیکل   کانوں میں ہلکے ہلکے وہ موتیوں کے گندا
وہ لمبے لمبے گیسو لٹکے ہوئے مسلسل   وہ سرخ سرخ غازہ بہتا ہوا وہ کاجل
وہ ہائے تیرا جوبن اور وہ سنگھار بچپن

کیچڑ میں وہ پھسل کر گلیوں میں لوٹ جانا   اور میرے ہمسنو کا وہ قہقہے لگانا
تنہا نہ چلنے کے میرا آہستہ پھر اٹھانا   اس پیت وہ گھر کو آنا وہ ماں کا مسکرانا
گرتا ہوا بہل کر گرنا وہ پیار بچپن

آ! پھر رفتہ آ کر مجھ کو گلے لگا لے   آ! اے شباب! میری طفلی کے ناز اٹھا لے
بچھڑے والے مجھ کو کس کے کیا حوالے   ہاں ہاں نشاں نہ تیرا او چھپ کے جانے والے
کھویا کہاں ہے تو تیرے نثار بچپن

کوئل کی آہ! کوکو وقتِ سحر وہی ہے — نالوں میں بلبلوں کے اب بھی اثر وہی ہے
تیرا بھی او پپیہے سوزِ جگر وہی ہے — سورج وہی ہے دن کو شب کو قمر وہی ہے
تیرے مگر کہاں وہ لیل و نہار بچپن

تو نے چرا لیا ہے بچپن میرا جوانی — تیری طرف سے ظالم ہے مجھ کو بدگمانی
اک تیرے دم سے طفلی تھا لطفِ زندگانی — میں غمزدہ سناؤں تم کو کسے کہانی
تو ہی نہیں رہا جب او غم گسار بچپن

داغوں سے میں سجاتا چھوٹی سی تیری خلوت — نالوں کو ساتھ لیکر کرتا طوافِ تربت
مجھ غمزدہ کی لیکن ایسی کہاں تھی قسمت — چلتا جو میرا قابو تو آہ! وقتِ رحلت
پہلو میں میں بناتا تیرا مزار بچپن

دایہ کی دوش۔ ماں کی آغوش سے جدا ہوں — سڑکوں پہ خاک اڑاتا گلیوں میں لوٹتا ہوں
طفلی کی آرزوؤ! تم سے بچھڑ گیا ہوں — ان پیاری لوریوں کو کب سے ترس رہا ہوں
لے لے شباب دے دے پروردگار بچپن

۲۔ مرثیہ داغ

اے نظم تیرا عشوہ دیکھو کدھر گیا؟ — سر چڑھ کے بولتا تھا وہ جادو کدھر گیا؟
شانہ وہ کیا ہوا، خمِ گیسو کدھر گیا؟ — چوٹی کا پھول داغِ سمن بو کدھر گیا؟
کلیاں کدھر گئیں ترے داماں ناز کی؟
بو بھینی بھینی کیا ہوئی زلفِ دراز کی؟

چبھتے ہوئے جگر میں وہ خنجر کدھر گئے ؟   تھے جو خلش فروش وہ نشتر کدھر گئے ؟
تاجِ سخن کے وہ مہ و اختر کدھر گئے ؟   وہ ہونٹ تھے جو برگِ گلِ تر کدھر گئے ؟

محوِ سکوت ہیں لبِ رنگیں ادائے داغ
پھولوں میں اب ہے داغ کے بوئے قبائے داغ

یہ کس کے ساتھ رونقِ باغِ سخن گئی ؟   سنبل کے پیچ تازگیٔ یاسمن گئی !
کلیوں کی شان پھولوں کی دلکش پھبن گئی !   رعنائیٔ عروسِ بہارِ چمن گئی !

وہ ایشیا کا آہ ! چمن زار کیا ہوا
پھولوں کا پھول داغ وفادار کیا ہوا

کمھلا گئے صدیقہ بزمِ سخن کے پھول   کچھ رہ گئے جھڑے ہوئے باقی دہن کے پھول
مرقد پہ آہ داغ غریب الوطن کے پھول   لے چل صبا چڑھانے کو دریا من کے پھول

گلگوں کفن ہے جلوۂ صبحِ بہارِ داغ
چل کر کریں دکن میں طوافِ مزارِ داغ

مضمونِ حسن و عشق کے اوترجماں چہک   بزمِ سخن میں داغ فصیح البیاں چہک
اے ہم صفیرِ طوطیٔ خلد آشیاں چہک   مطلع یہ اپنا بلبلِ ہندوستاں چہک

"کس نے کہا کہ داغ وفادار مر گیا
وہ ہاتھ مل کے کہتے ہیں کیا یار مر گیا"

اے عمرِ رفتہ! تو ہی بتا کچھ نشانِ داغ　　کس راہ سے عدم کو گیا کاروانِ داغ
نرگس میں بوئے داغ نہ لالے میں شانِ داغ　　ہے ہے کدھر گیا چمنِ بے خزانِ داغ
وہ پھول کیا ہوئے وہ چمن زار کیا ہوا
کلیاں کدھر گئیں وہ سمن زار کیا ہوا

وہ سروِ نازِ رونقِ بستاں کدھر گیا　　وہ تختہ بندِ سنبل و ریحاں کدھر گیا
ویراں چمن ہے مرغِ غزل خواں کدھر گیا　　خاموش بزم ہے وہ سخنداں کدھر گیا
وہ شوخیِ ادائے تکلم کہاں گئی
جو نطق کی پری تھی کدھر وہ زباں گئی

لالے میں ہے کہ مہرِ کامل پہ داغ تو　　ہے کس کی بزمِ ناز کا آخر چراغ تو
چھپا نہ مے سخن کی نہ بھر کر ایاغ تو　　او آسماں! بتا نہ دکھا سبز باغ تو
اے مہرِ زمانہ نہ داغوں پہ داغ دے
جو بجھ گئے وہ بزمِ سخن کے چراغ دے

داغ و امیر کے لبِ اظہار کھینچ دے　　نطقِ فصیح و شوخیِ گفتار کھینچ دے
تاجِ سخن کے گوہرِ شہوار کھینچ دے　　منگوائی ہے نظام کی سرکار کھینچ دے
ان موتیوں کو نالِ دکن کیا کرے گی تو
کس پر نثار یہ دُرِ یکتا کرے گی تو!

۱۵۔ شادؔ عظیم آبادی

۱۔ غزل

اک ذرا کھسکا تو پلہ تول میں تقدیر کا
پھول تھا سنگِ ترازو کیا مری تدبیر کا

شمع پروانوں کے جلنے پر جلا ہنستی بھی
سر اُٹھا کر دیکھ لیتی منہ اگر گلگیر کا

دیکھنے والے یہی سمجھے تھا بس جیتا ہوں میں
واہ کیا رکھا مصوّر تو نے رخ تصویر کا

بے مروّت نے کبھی آنکھیں برابر کیں نہیں
تاک میں حسرت سے منہ تکتا رہا تاثیر کا

چشمِ باطن صاف کر لو دل کا دھو ڈالو غبار
کچھ سمجھ لینا ہے آساں شادؔ کی تحریر کا

۲۔ غزل

ہم سے نہ حق ادا ہوا عشق کے شیوۂ ناز کا
شکوہ کریں تو کیا کریں جانِ بہانہ باز کا

اے دلِ مضطرب ٹھہر وقتِ سوال بھی تو ہو
ہم کو بھی نام یاد ہے اپنے گدا نواز کا

خوش تو ہیں یادِ حشر سے منتظرانِ سادہ لوح
ہو نہ کرشمہ یہ کسی دلبرِ حیلہ ساز کا

اُن کے پیام کا جواب ایک ہی کہتا نالہ ہے
کوئی علاج کیا کرے ایسے زباں دراز کا

خاک بہت سی چھان کر دشت و جبل سے ہم پھر آئے
تو بھی پتہ ملا نہ شادؔ قافلۂ حجاز کا

۳ - غزل

دے کے تو نے سبو مجھے صبر کا جو صلہ دیا   جس کی طلب تھی ساقیا اس سے کہیں سوا دیا
اور تو کچھ گلا نہیں شکوہ یہ ہے کہ دیکے شوق   دشمنِ جان و آبرو ساتھ مرے لگا دیا
کچھ نہ کھلا کہ ہے پسند کیوں اُسے بے تعلقی   جس نے تعلقات میں دل کو مرے پھنسا دیا
سچ ہے کہ اس سے جو نہ ہو ہم سے ہوا ایسا بار   خوب کیا جو عشق کو طالعِ نارسا دیا

اب نہ پلٹ کے آئے گی عمرِ عزیز شاد حیف
دولتِ لازوال تھی تو نے جسے گنوا دیا

۴ - غزل

غنچوں کی طرح باغ میں ہم داغ دیدہ ہیں   پھولوں کی مثل لب سے گریباں دریدہ ہیں
جو خوش نگاہ ہیں متفاوت مزاج ہیں   اُس کی جفائیں تو مری چشم دیدہ ہیں
پژمردہ ایک پھول لئے ہیں وہ ہاتھ میں   کیونکر کہیں کہ ہم بھی تو آفت کشیدہ ہیں
طوفاں کی طرح ایک جگہ پر نہیں قرار   اس دشت میں ہم آہوئے صیاد دیدہ ہیں

دیکھا ہے میں نے بارہا دیوان شاد کا
نشتر سے کم نہیں ہیں جو اشعار چیدہ ہیں

۵۔ غزل

اپنے گدا کو خود وہ پکارے اُٹھ مرے کملی والے
اُٹھ مرے عاشق اُٹھ مرے پیارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

جن و بشر کو خواب نہیں ہے ارض و سما کو تاب نہیں ہے
غم سے فرشتے غش ہوئے سارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے

رو کر ہمارا تمام جو ہے گا، نالۂ شب سے کام جو ہے گا
ٹوٹ پڑیں گے عرش کے تارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے

رات چلی ہے جوگن ہو کر، اوس سے اپنے مُنھ کو دھو کر
لٹ چھٹکائے، بال سنوارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے

صدموں پہ صدمے دل پہ سہے گا، در پہ مرے تا چند رہے گا
جان کو توڑے، جی کو ہارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے

شاد ہر اِک کا دل بھر آیا جس نے سنا وہ تاب نہ لایا
تجھ پہ غضب کے اُن کے اشارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے

۶۔ غزل

سرکارِ دل کی ہوش رُبا سے زمانہ ہے — وسعت تو کچھ نہیں مگر اِک کارخانہ ہے
خالی سمجھ کے پھینک نہ اسے موجِ رائیگاں — ہر کیسۂ حباب کے اندر خزانہ ہے

پیری میں ہے فلک قدر انداز کس قدر کوسوں سے جس کو تاک لیا وہ نشانہ ہے
اسے شاد کھینچ لیتا ہے بے اختیار دل
کیا پوچھنا کلام ترا عارفانہ ہے

۷۔ رُباعیات

جب دیکھئے مضمون ادق ملتا ہے
ہر مرتبہ بے پڑھا سبق ملتا ہے
ہر دفعہ کتاب روز و شب کھلتی ہے
ہر روز نیا نیا ورق ملتا ہے

ہوں مثلِ حباب کیا ٹھکانا میرا
مٹ جائے گا دم بھر میں زمانہ میرا
گر سانس نہ آئے کھیل سب مٹ جائیں
چلتا ہے ہوا پہ کارخانا میرا

پیری سے گئے ہیں دن گئی جوانی اپنی
ہم چھوڑ چلے بہت نشانی اپنی
اوروں کی تو سُن چکے کہانی ہم سے
اوروں سے سُنو گے اب کہانی اپنی

کیوں کر نہ رہے ہمیں نہانی تیرا
دُنیا میں بتا کون ہے ثانی تیرا
ہم لے کے عصا و رملک ڈھونڈ آئے
کوسوں نہیں نام اسے جوانی تیرا

۱۶۔ شمس منیری

۱۔ پروانہ

پروانے! تجھے یہ کیا ہوا ہے
تو کس کا طواف کر رہا ہے

اِس شمع میں روشنی ہے کس کی
دل میں ترے لو لگی ہے کس کی

کیوں وقفِ صد اضطرار تو ہے
کس واسطے بے قرار تو ہے

بیتابیٔ دل تری عیاں ہے
جاں بھی اُسی کے پر فشاں ہے

شورش سی یہ تیرے دل میں کیا ہے
سچ کہہ ترے آب و گل میں کیا ہے

یہ آخرِ شب یہ وقتِ راحت
ہر چیز ہے مستِ خوابِ غفلت

چپ چاپ وحوش ہیں بھٹوں میں
خاموش طیور گھونسلوں میں

انسان بھی ہو گئے ہیں خاموش
بستر پہ پڑے ہیں جیسے مدہوش

اک شمع کہ شمعِ انجمن تھی
رونق وہ محفلِ سخن تھی

تنہا کھڑی ٹمٹما رہی ہے
روتی ہوئی مسکرا رہی ہے

اِک وہ ہے اور ایک تو ہے پیارا
تم دونوں میں کچھ تو ہے سروکار

یہ راز و نیاز تم میں کیا ہے
یہ سوز و ساز تم میں کیا ہے

کیوں دل ترا وقفِ صد تپش ہے
کیا شعلۂ شمع میں کشش ہے

کیوں تجھ کو ہے اضطراب ایسا — ہے کس کے لئے خراب ایسا
کیوں رقص میں مست تو ہے پیہم — کیوں وجد کا ہر گھڑی ہے عالم
کیوں شعلہ پہ جان دے رہا ہے — پھر پھر کے بلائیں لے رہا ہے
کیوں سر کو لگن پہ مارتا ہے — کیوں شمع پہ جان وارتا ہے
کیوں آگ میں تو جلا رہا ہے — کیوں موت کے منہ میں جا رہا ہے
کیوں شمع کی آگ کو چومتا ہے — کیوں آ کے مزے میں جھومتا ہے
آیا تو ہے چھوٹ کے تو پہ — جل جائے گا آگ سے لپٹ کر
کیوں تجھ کو ہے اشتیاقِ سوزش — کیوں دل میں ہے یہ مذاقِ سوزش
کیا یہ ہی کمالِ زندگی ہے — سوزش ہی مآلِ زندگی ہے
ننھا سا وہ دل ترا ارماں ہے — جس سے تب و تاب یہ عیاں ہے

دکھلا مرے سینہ میں جو ہے دل
اپنا سا بنا دے مجھ کو بسمل

غزل - ۲

مرے غم الم کو نہ پوچھئے، مجھے چین ہے نہ قرار ہے
ہے خزاں رسیدہ ریاضِ دل، مجھے کیا اُمیدِ بہار ہے

مرے دل کا غنچہ کھِلے اگر، تو شگفتہ باغ ہو سر بسر
مرے عیش و غم کے یہ عکس ہیں، نہ خزاں ہے یاں نہ بہار ہے

اِسے ڈھیر خاک کا جان کے نہ مٹا کہ پھر نہ ملے گا یہ
یہ نشانِ راہ ہے، بے خبر! کسی راہرو کا مزار ہے

جو جلائے تجھ کو تو آگ ہے جو دکھائے راہ تو روشنی
فقط ایک فرقِ مجاز ہے، وہی نور ہے وہی نار ہے

جسے ہے تلاشِ سکونِ دل، جو ہے صلح کل وہ ہے مُردہ دل
کہیں لڑ پڑے کہیں کٹ مرے، یہی زندگی کی بہار ہے

نہ ہوائے عیشِ شباب ہے نہ مذاقِ چنگ و رباب ہے
مرا دل اِسی میں خراب ہے کہ اسیرِ صبر و شکار ہے

ہوا غم نصیب اُسے یا خوشی رہی شمسؔ حالتِ دل وہی
یہی وہ ریاض ہے واقعی کہ خزاں بھی جس کی بہار ہے

۳۔ غزل

حاصلِ کارگہِ کون و مکاں کچھ بھی نہیں — سچ تو یہ ہے کہ یہ اسبابِ جہاں کچھ بھی نہیں
ایک بُلبُل ہے کہ گلشن کو اُٹھایا سر پر — ایک پروانہ کہ فریاد و فغاں کچھ بھی نہیں
حوصلہ یہ ہے کہ ہم ڈھونڈ ہی نکالیں گے انھیں — اور معلوم ہمیں نام و نشاں کچھ بھی نہیں
اِس نگاہِ غلط انداز کے صدقے ظالم — جس میں سب کچھ ہے نہاں اور عیاں کچھ بھی نہیں
ہم تو قائل ہیں، اُسی سوزِ نہاں کے اے شمسؔ
دل میں ہے آگ مگر لب پہ دُھواں کچھ بھی نہیں

۴۔ غزل

غم نہیں، حسرت نہیں، وحشت نہیں — وہ بھی کیا دل جس میں کیفیت نہیں
آپ کی صورت نظر آجائے کاش — آہ! اِس کی بھی کوئی صورت نہیں
دردِ دل کہنے کی طاقت تھی کبھی — اور اب سُننے کی بھی طاقت نہیں
کیا کرے گا کوئی عزت آپ کی — آپ اپنے دل میں جب عزت نہیں
ہے غزل میں شمسؔ اِک لطفِ زباں
اِس میں مضموں کی اگر وسعت نہیں

۵۔ قطعات

(۱)

مختصر گرچہ زندگی ہے بہت   چند روزہ فقط جوانی ہے
چند دن ہی رہیں مگر آزاد   یہ حقیقت میں زندگانی ہے

(۲)

ہم نے بھگتیں مصیبتیں جو کچھ   تھیں وہ سب اپنی ناتمامی سے
خدمت اپنوں کی ہے کہیں بہتر   غیر و ناجنس کی غلامی سے

(۳)

پیٹ اور ملک ہی نہیں سب کچھ   ہے بڑی چیز دین و ایماں بھی
دونوں چیزیں ہیں مجھ میں لاینفک   بندہ ہندی بھی ہے مسلماں بھی

۶۔ رباعیات

(۱)

کیا خوب ہیں یہ نقش و نگارِ ہستی   کیا شوخ ہے یہ رنگِ لالہ زارِ ہستی
سینچا ہے لہو سے اس چمن کو ہم نے   ہے خون سے رنگیں یہ بہارِ ہستی

(۲)

ہر شخص کو ہے رنج خمارِ ہستی — بڑھتا ہے یہاں غم سے عیارِ ہستی
وہ ظرف عنایت ہو مجھے اے ساقی — پی جاؤں میں جام ناگوارِ ہستی

(۳)

ہر لالہ ہے پیمانۂ صہبائے حیات — ہر غنچۂ گل ہے مست مینائے حیات
ہر نخل میں جوشِ زندگی پنہاں ہے — ہر برگ کی ہے زباں پہ دعوائے حیات

(۴)

ہر ذرہ کی دل میں ہے تمنائے حیات — ہر برگ گیاہ ہے اک تقاضائے حیات
گر آنکھ نہیں تو خورد بیں سے دیکھو — ہر قطرہ میں موجزن ہے دریائے حیات

(۵)

ہر ذرہ میں بج رہا ہے اک سازِ حیات — ہر قطرہ میں پوشیدہ ہے اعجازِ حیات
کٹتا ہے جو سر تو زندگی بڑھتی ہے — سیکھا ہے شجر سے ہم نے یہ رازِ حیات

(۶)

آساں نہیں اس جہاں میں اظہارِ حیات — کمزور سے اٹھتا ہے کہیں بارِ حیات!
ہے زندگی صرف سرفروشوں کے لئے — جاری ہے جہاں میں اک پیکارِ حیات

(۷)

ہو کیفِ حیات سر میں پینا ہے یہی — ہو دل میں مئے جوش تو پینا ہے یہی
جینے کی ہوس نہ ہو یہ فطرت ہی نہیں — مرنے کا نہیں ہو خوف جینا ہے یہی

۷۔ ترانۂ اُردو

سب بولیوں سے اچھی اُردو زباں ہماری
بولی یہی ہے اب اے ہندوستاں ہماری

سینچا ہے اِس کو ہم نے اپنے لہو سے صدیوں
برباد کر نہ محنت اے باغباں ہماری

یہ اتحادِ مُلک و مِلّت کی ہے نشانی
تہذیب ہو نہ جائے پھر بے نشاں ہماری

پھیلی ہوئی ہے چین و مصر و عراق تک یہ
قومیں جہاں کی اِس سے ہیں ہم زباں ہماری

اِس مُلک میں ہیں یکدل ہم یک زباں ہو کر
شیرازہ قوم کا ہے اُردو زباں ہماری

اپنی حیات مضمر ہے اِس کی زندگی میں
ہم پاسباں اِس کے یہ پاسباں ہماری

یہ شمسؔ کا ترانہ تاریخ قوم کی ہے
ہر لفظ میں ہے اِس کے اِک داستاں ہماری

۱۷۔ شوق قدوائی

۱۔ حُسنِ بہار

ہر اِک کلی حجاب میں ہے — خود ہی اپنے نقاب میں ہے
گھر بیاہ کا ہر چمن ہے گویا — محبوب کلی دُلہن ہے گویا
شوخی سے ہوا نے گُدگُدایا — کچھ کھُل گئے لب تبسّم آیا
کیا لال چمن کی سرزمیں ہے — آتش کدہ ہے چمن نہیں ہے
سبزے نے کیا ہے اُس پہ مینا — بوٹا بوٹا بنا نگینا
شمشاد ہے کیا کشیدہ قامت — تننا ہے غرور کی علامت
شاخوں سے بوئیں لپٹ گئی ہیں — ہاتھوں میں کریلیاں ہری ہیں
انگور بھرے ہوئے ہیں مے سے — سرمست ہیں کیسی لطیف شے سے!
مجھ سے کوئی پوچھے حُسنِ سنبل — دل چھین رہا ہے بن کے کاکُل
پھیلائے ہے جال عشقِ پیچاں — گیسو ہیں کھُلے ہوئے بال پریشاں
کوپل کا نمو وہ رنگ لایا — بچپن کا زمانہ یاد آیا
پہنے زیور ہیں ڈالیوں کے — کس لُطف سے کھا رہے ہیں جھونکے
کیا بُو ہے لطیف کیتکی کی — کیا تیز لپٹ ہے کامنی کی
سوسن کی زباں کیا حسیں ہے! — ہلتی تو ہے، بولتی نہیں ہے

نرگس کی نشیلی آنکھڑیوں پر — صدقے ہو جائے چشمِ ساغر
بیتے ہے کرشن ہے شاخِ لالہ — لالہ یاقوت کا ہے پیالہ
کونپل پہ بہار پھوٹ پڑی ہے — چھلکی پینے بھری کٹوری ہے
وہ رنگ انار کی کلی کا — ہو خون کا رنگ جس سے پھیکا
ہر شاخ تو شمع، تو کلی ہے — یہ آتشِ حسن سے جلی ہے
گلیوں سے گلبر سی ہویدا — کچھ قصہ تبسم ان سے پیدا
ہر گل میں رنگوں کا یوں جال — ڈورے آنکھوں میں جیسے ہوں لال
ہر رنگ کے پھول اور حسیں سب — محبوب نگاہ سیر ہیں سب
کوئی تو ہے زرد، کوئی آبی — کوئی اودا، کوئی گلابی
کچھ ایسے ہیں جن کا کاسنی رنگ — کچھ جن میں ملے ہوئے کئی رنگ
رنگت کسی پھول کی سنہری — سرخی کسی پھول کی ہے گہری
غنچہ کوئی کھل چکا ہے، کوئی — سیدھا کوئی، جھکا ہے کوئی
وہ دوب ہری ہری زمیں پر — کاہی چادر تنِ حسیں پر
کونپل جیسے کلی نمودار — یا طوطی سبز پر کی منقار
ابھرے ہیں کبھی کہ شاخ میں بل — لٹکا ہوا دل کہ شاخ میں پھل
سن سن سن، سن، ہوا کا چلنا — پتوں کا وہ کروٹیں بدلنا
اندھیری ایسی کہ زرد مخمل — شوخی ایسی کہ گرد مخمل

پتوں سے جو آئی دھوپ چھن کر   چمکی سونے کا پھول بن کر
موروں کا وہ ناچنے پہ آنا   آواز سے کرنا بجانا

وہ تاج زمردیں سروں پر   سونا سا چڑھا ہوا پروں پر
ہر پر میں اداہٹ اور سیاہی   اُس میں پھر رنگ سبز کاہی
پکھراج اُس میں، زبرجد اُس میں   کندن کا جڑاؤ بے حد اُس میں
بھونرے میں سیاہی اِس بلا کی   پتلی کو چشم دل ربا کی
پرواز کے ساتھ گونجنا بھی   ہے رقص بھی راگنی صدا بھی
پر کھول کے تتلیوں کی پرواز   پر جوڑ کے بیٹھنے کا انداز
نازک نازک وہ خوشنما پر   اُڑتی ہوئی پتیاں ہوا پر
ہیں رنگ کئی ایک پر پر   چھوٹا سا چمن ہے اُن کا ہر پر
طاؤسی، سندلی، گلابی   دھانی، کاہی، سیاہ، آبی
نیلے اودے، زمردیں، لال   ہر رنگ کے پر ہیں سبز خط و خال
دریا، تالاب اور نہریں   پانی شفاف اور لہریں
جنبش جو ہے سامنے سے ہویدا   کی ہے لہروں نے جان پیدا
سورج کا وہ ڈوبنے پہ آنا
پانی میں شفق کا رنگ لانا

۱۸۔ علامہ ڈاکٹر عظیم الدین احمد

۱۔ صبحِ چمن

نئی اگرچہ زمانہ کی ہر گھڑی ہے چال — مگر ہے عیش میں اس کو بھی آج استقلال
ابھی تو چار سُو عالم میں ہُو کا عالم تھا — شعاعِ نیّرِ اعظم نے کیا بچھایا جال
تڑپ تڑپ کے شعاعوں نے روحِ سبزی کی — گھڑی گھڑی میں ہوا کچھ سے کچھ زمیں کا حال
خموش یا تو پرندے تھے اب یہ حالت ہے — کوئی ہے نغمہ سرا، کوئی دے رہا ہے تال
اُچھلتے پھرتے ہیں ڈالوں پہ چہچہے کرتے — ہے لحظہ بھر بھی سکون و قرار اُن کو محال
نسیمِ صبح ہے اللہ! کیا نشاط افزا — کہ جھوم جھوم کے آپس میں مل رہے ہیں نہال
صبا گلوں سے ہے لائی شمیمِ جاں پرور — چمن بھی آج زر و سیم سے ہے مالا مال
گہر فشانیِ ابرِ مطیر کیا کہیے — نہالِ خشک بھی لائے ہیں برگ و بار نکال
ثمر ہیں آئے درختانِ سبز پر اتنے — کہ شاخیں بار سے جھک جھک کے ہو گئی ہیں نڈھال
کسی کا رنگ دہکنے لگا بھبھوکا سا — کسی کی چڑھ گئیں آنکھیں کوئی ہوا بے حال
وفورِ جاہ عزیزی سے دیکھنا سب کے — کھلے ہی جاتے ہیں دل گُل کی پنکھڑی کی مثال
ہوئے ہیں عیش میں ایسے خوشی خوشی باہم — کہ دل پہ تھا ہی نہیں نام کو بھی گردِ ملال

۲۔ شکوہ

ہے ایک دن کا ماجرا — کوئی نہ تھا خود کے سوا
تھا چارسُو محشر بپا — تخئیل کا، جذبات کا
تھی بے رُخی احباب کی — اُس پر کمی اسباب کی
سمجھا جسے ہمدرد تھا — دل میں نہ اُس کے درد تھا
بے چارگی کی حد نہ تھی — گھیرے ہوئے تھی مُفلسی
اپنوں کی بے پروائیاں — غیروں کی صف آرائیاں
یہ سارے سامان رنج کے — آنکھوں کے آگے پھر گئے
دل کا عجب عالم ہوا — لب تک یہ نالہ آگیا
اے بانیٔ رحم و کرم — اللہ! یہ سارے ستم

اور ایک مشتِ خاک پر

جواب شکوہ

آئی ندا یہ غیب سے — تو اور یوں شکوہ کرے
دُنیا کا ہے عالم یہی — عشرت کبھی عسرت کبھی
ہے مخملی بستر کبھی — ہے خشت زیرِ سر کبھی

محلوں کی آسائش کبھی صحرا کی پیمائش کبھی
رنج و محن، عیش و خوشی ہے چار دن کی چاندنی
سب کو فنا! سب کو فنا!! ہے ذاتِ باری کو بقا
واقف جو ہو اِس راز کا مُطرب جو ہو اِس ساز کا
رنج و خوشی یکساں اُسے یہ آگہی اُس کے لئے
مرہمِ دلِ صد چاک ہے

۱۹۔ کشتہ کیاوی

۱۔ سہاگن کی عید

بعد اِک سال کے دنیا میں جو تو آئی ہے سارا عالم تیرے عالم کا تماشائی ہے
خوب منظر ہے عجب رنگ کی رعنائی ہے گلشنِ دہر پہ کچھ اور فضا چھائی ہے
جس کو دیکھو وہی دل شاد نظر آتا ہے
تارکِ نالہ و فریاد نظر آتا ہے

دوسرے ڈھنگ سے ہیں آفاق میں اب محفل کے چہچہے بلبل کی زباں پر ہیں استقبال کے
ہو کے خوش دل سے نکل جائیں گے ارماں دل کے دشمنِ جاں بھی بنے دوست گلے مل مل کے
حکم ہے سب سے یہ کہ ملنے میں نہ تاخیر کرو
خود بغل گیر ہو اوروں کو بغل گیر کرو



كشة گيأوى

ساری دُنیا کے لیے لائی ہے سوغات نئی — تیرے دم سے نظر آتی ہے کرامات نئی
آج کا دن ہے نیا آج کی ہے رات نئی — آج ہر بات کی ہے بات میں اک بات نئی
چاند کے دیکھتے ہی حال جہاں کا بدلا
عالمِ حسن یہاں اور وہاں کا بدلا

تیری آمد سے زمانہ ہوا فی الفور نیا — تیرے جلوے سے زمانہ کا ہوا دور نیا
یوں تو ہر سال ترا عید رہا طور نیا — لیکن اس سال ترا لطف ہے کچھ اور نیا
عیش و عشرت کی بھری ساتھ میں جھولی آئی
اب کی ہولی میں جو تو کھیلنے ہولی آئی

کیا ہی مسعود و سزاوار فسانہ ہوگا — ایک اگر ہندو و مسلم کا ترانہ ہوگا
دل سے بیگانہ جو مل جل کے یگانہ ہوگا — تیرا مداح زمانے میں زمانہ ہوگا
تیرے آنے سے ہے پھاگن میں یہ اُمید نئی
ہولی اس سال نئی ہوگی یہاں عید نئی

ساغرِ بادۂ ناب ایسا پلا دے ساقی — جس سے جھگڑا مٹے معدوم رہے ناچاقی
تفرقہ ہندو و مسلم میں رہے کیوں باقی — باہمی لطف بڑھے لطف میں خوش اخلاقی
شگفتہ یہ چاہتے ہیں غنچۂ خاطر کھل جائے
عید ہولی سے ملے عید سے ہولی مل جائے

۲۔ غزل

عجب کیا آشیاں کے ساتھ چھوٹے گلستاں ہم سے
نظر آتی ہے اب بدلی نگاہِ باغباں ہم سے
بنا جب آشیاں گر کر اُسے فوراً جلا ڈالا
یہ کیسی گرمجوشی کر رہی ہیں بجلیاں ہم سے
جئیں تو اُس کی خاطر ہم مریں تو اُس کی خاطر ہم
توقع رکھتی ہے یہ مادرِ ہندوستاں ہم سے
کہاں جاتے ہو زندانِ وفا میں بیٹھ جاؤ بھی
یہی لبس پاؤں پڑ کر کہہ رہی ہیں بیڑیاں ہم سے
اِس آسانی سے دل نے ہنستے ہنستے جھیلیں ایذائیں
کہ گھبرانے لگیں زنداں کی ساری سختیاں ہم سے
قفس میں رہ کے بھی کیا کیا چمن کا دھیان آتا ہے
نہ چھوٹے آشیاں سے ہم نہ چھوٹا آشیاں ہم سے
ہماری زندگی بھی موت سے بدتر ہے اے کشتہ
نہیں ہوتی اگر کچھ خدمتِ ہندوستاں ہم سے

۳۱- غزل

نہیں سنتا مری فریاد صیاد — مجھے کیسا ملا جلاد صیاد
مقید ہوں کہیں آزاد صیاد — ہمیشہ ہے وطن کی یاد صیاد
قیامت ہے ہمیں پر ظلم ڈھا کر — ہمیں سے چاہتا ہے داد صیاد
نشیمن ہو گیا برباد کیا غم — چمن میرا تو ہے آباد صیاد
مرے ہی دم سے رونق ہے قفس کی — کرے گا کیا مجھے آزاد صیاد
قفس میں ذکر کرتا ہے چمن کا — ملا مجھ کو بڑا استاد صیاد
یہ مانا میں گرفتار قفس ہوں — مگر دل ہے مرا آزاد صیاد
ہماری ہی نشیمن کی خطا کیا — چمن کرتا ہے کیوں برباد صیاد

وظیفہ تھا یہی بستہ قفس میں
کہ ہم رٹتے رہے صیاد صیاد

۲۰۔ منشی تلوک چند محروم

۱۔ ملکۂ نورجہاں کا مزار

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے   کہتے ہیں یہ آرام گہِ نور جہاں ہے
مدت ہوئی وہ شمع تہِ خاک نہاں ہے   اُٹھتا مگر اب تک سرِ مرقد سے دھواں ہے

جلوؤں سے عیاں جن کے ہوا طور کا عالم
تربت پہ ہے اُن کی شبِ دیجور کا عالم

اے حُسنِ جہاں سوز کہاں ہیں وہ شرارے   کس باغ کے گُل ہو گئے کس عرش کے تارے
کیا بن گئے اب کرمکِ شب تاب وہ سارے   ہر شام چمکتے ہیں جو راوی کے کنارے

یا ہو گئے وہ داغ جہانگیر کے دل کے
قابل ہی تو تھے عاشقِ دلگیر کے دل کے

تعویذِ لحد ہے زبر و زیر یہ اندھیر   یہ دورِ زمانہ کے اُلٹ پھیر یہ اندھیر
آنکھوں میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر یہ اندھیر   اے گردشِ ایام یہ اندھیر یہ اندھیر

ماہِ فلکِ حُسن کو یہ برج ملا ہے
اے چرخ تری ہیچ نوازی کا گلا ہے

حسرت ہے ٹپکتی در و دیوار سے کیا کیا   ہوتا ہے اثر دل پہ ان آثار سے کیا کیا
نالے ہیں نکلتے دلِ افگار سے کیا کیا   اُٹھتے ہیں شرر آہِ شرربار سے کیا کیا

یہ عالمِ تنہائی یہ دریا کا کنارہ
ہے تجھ سی حسینہ کے لیے ہو کا نظارہ

چوپائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر — آرام لیا کرتے ہیں اس روضہ میں آکر
اور شام کو بالائی سیہ خانوں سے شپّر — اُڑ اُڑ کے لگاتے ہیں در و بام پہ چکر

معمور ہے یوں محفلِ جاناں نہ کسی کی
آباد رہے گورِ غریباں نہ کسی کی

آراستہ جن کے لیے گلزار و چمن تھے — جو نازکی میں داغ دہِ برگِ سمن تھے
جو گل رخ و گل پیرہن و غنچہ دہن تھے — شاداب گلِ تر سے کہیں جن کے بدن تھے

پژمردہ وہ گل دب کے ہوئے خاک کے نیچے
خوابیدہ ہیں خار و خس و خاشاک کے نیچے

رہنے کے لیے دیدہ و دل جن کے مکاں تھے — جو پیکرِ ہستی کے لیے روحِ رواں تھے
محبوبِ دلِ خلق تھے جاں بخشِ جہاں تھے — تھے یوسفِ ثانی کہ مسیحائے زماں تھے

جو کچھ تھے کبھی تھے مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں
ٹوٹے ہوئے پنجر سے پڑے زیرِ زمیں ہیں

دنیا کا یہ انجام ہے دیکھ اے دلِ ناداں — ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مدفنِ ویراں
باقی ہیں نہ وہ باغ نہ وہ قصر نہ ایواں — آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے ساماں

ٹوٹا ہوا اک ساحلِ راوی پہ مکاں ہے
دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے

۳- بچہ

اے کہ اپنے ساتھ گھر بھر کی خوشی لایا ہے تو   کس وطن کی یاد میں روتا ہوا آیا ہے تو
کونسی دنیا سے خندہ یاد آتی ہے تجھے   رونے والے یاد کس کس کی رلاتی ہے تجھے

کیا کوئی زریں جزیرہ چھوڑ کر آیا ہے تو
گلشن فردوس سے منہ موڑ کر آیا ہے تو

یاد ایسے ہی تو کچھ آتے ہیں نظارے تجھے   اجنبی سے اس جہاں کے نقش ہیں سارے تجھے
کس لیے حیرت سے یوں ہر اک کا منہ تکتا ہے تو   کچھ تو کہنا چاہتا ہے کہہ نہیں سکتا ہے تو

ہم کو بھی معلوم ہے تو ہے مسافر دور کا
مطلقاً اس دیس کی بولی سے ہے ناآشنا

ہاں بتا وہ سرزمین عافیت تھی کونسی   بستی ہے دل میں ترے دلکش وہ بستی کونسی
روشنی ہوتی ہے کیسی چاند سورج کی وہاں   تیرے چہرے سے ہویدا ہیں ابھی جس کے نشاں

کس چمن کا گل ہے تو کس عرش کا تارا ہے تو
کس قدر ہے پاک روشن کس قدر پیارا ہے تو

آہ اے نو وارد ہستی تجھے معلوم کیا   انقلابات زمانہ ہیں چھپائے مغموم کیا
آج تو روتا ہے جس دنیا کو زنداں جان کر   کل نہ چھوڑے گا اسی کو باغ رضواں جان کر

اس قدر مانوس ہو جائے گا اس دنیا سے تو
پھر وطن کی یاد ہوگی اور نہ اس کی آرزو

۲۱- مسلم عظیم آبادی

۱- آزادی

یہ آزادی کی کنیا کیسی سندر لاجونتی ہے
پری بن جاتی ہے، جب نور کا جوڑا پہنتی ہے
یہ دکھ بپتا کی بیڑی پھر دلسن شکتی کی بنتی ہے
غلامی سے جنم پاتی، غلامی خود بھی جنتی ہے
غلام آزاد ہو کر چھینتے ہیں سب کی آزادی
ہے انصاف اپنے گوں کا، بات اور مطلب کی آزادی

بیاں کیا اس کا ناز و عشوہ ہو، قصہ ہے طول اس کا
نہیں ہو وقت جس میں خلق پہ جس میں قبول اس کا
ہمیشہ ایک رحمت ہی نہیں ہوتا نزول اس کا
ہے انسو وحشی بھی اس کا تو قتل و خوں ہے پھول اس کا
کبھی معصوم ہے مجرم اس کا، کبھی محبوب ہے معمول اس کا
نیا ہر دن نیا روپ اس کا، نیا ہر رنگ نیا طلسم اس کا

ہے جنگ آخر ہے [illegible] انسانیت کا نام ہو جائے
[illegible] وہ شاید نام ہو جائے

کہیں گر انقلاب اِس سعی کا انجام ہو جائے
تو اِک قزاقِ بھی محبوب خاص و عام ہو جائے

پھر ایوانِ حکومت میں لٹیرے ڈنڈ پیلیں گے
حریفِ بے گنہ کے خون سے ہولی یہ کھیلیں گے

نحوست میں دہر کے ہے ظلم کوئی شے نہ مظلومی
وہ کمزوری ہے، کہتے ہیں جسے دُنیا کی محکومی
رہا ہے اور رہے گا حصّہ کمزوری کا محرومی
ہو جس کے ہاتھ گدا بھیم کا، ملک اِس کی ہے بھومی

خوشامد سے، اہنسا سے، نہ زورِ الٹمیٹم سے
ہے آزادی فقط طاقت سے، طاقت جوشِ خدمت سے

جو ہو فیصلِ وطن کے غلبہ تک محدود آزادی
تو قزاقی اُسے سمجھو، نہیں مقصود آزادی
غلامی سے کہیں بد تر ہے یہ مردود آزادی
[illegible] ہے بہبودِ نامسعود آزادی

نہ یہ ترکِ فرائض ہے، نہ یہ قطعِ علائق ہے
یہ حق کی بندگی ہے، مستیِ عشقِ خلائق ہے

۲۔ شادی و غم

سبزہ زارِ دہر کے چھوٹے بڑے پودے ہیں ہم
لالۂ کہسار ہیں، یا زینتِ گلزار ہیں

بڑھ چلیں حد سے سوا تو کاٹ پھینکے باغباں
تھے گلِ رعنا اگر کل، آج خار و خوار ہیں

سبزۂ خود رو بھی ہیں کھا جاتے ہیں حیواں جسے
یا جھلس دیتی ہے لُو، یا نذرِ جوئے بار ہیں

اُگتے ہیں مٹ مٹ کے لیکن زندگی لے کر نئی
گل بھی جاتے ہیں تو قوت و قوتِ اشجار ہیں

کرتے رہتے ہیں ادا ہر حال میں اک ایک فرض
بے خودی میں پھول ہیں حفظِ خودی میں خار ہیں

الغرض جز قلبِ ہیئت کچھ نہیں موت و حیات
شادی و غم ایک سازِ دہر کے دو تار ہیں

۲۲۔ نجم عظیم آبادی

اے جنگ کے دو رخ

(۱)

جنگ! ترے شرار سے دہر ہے پیچ و تاب میں
تیرے ستم کی آگ سے خلق ہے اضطراب میں
تجھ سے ہیں بستیاں تباہ، تجھ سے ہیں کھیتیاں خراب
قہر خدا ترا وجود، تجھ سے جہاں عذاب میں
تیری ستم شعاریاں، تیری تباہ کاریاں
ہو نہ سکیں کبھی شمار، آ نہ سکیں حساب میں
نقشہ ترا پیام مرگ، جلوہ ترا نوید قتل
آتش قہر ہے ترے چہرۂ بے نقاب میں
جس پہ تری نظر پڑے [illegible] آئے زوال [illegible]
[illegible] آگ [illegible] شباب میں
تیرا مآل خاک و خوں، تجھ سے جواں [illegible]
قہر و جفا و ظلم کا درس ہے تری کتاب میں
[illegible]
[illegible] تیرے عتاب میں

(۲)

جنگ! ترے جمال سے نور ہے آفتاب میں
تیرے ہی نور کا سرور ہے قلبِ شراب میں
تیرا وجود شمع ہے بزمِ حیات کے لئے
تجھ سے چمک ہے چاند میں تجھ سے ہے بو گلاب میں
تجھ سے وجودِ زندگی، تجھ سے نمودِ زندگی
جان ہے ارتقا میں تو، تو روح ہے انقلاب میں
تو جو چلے تو تیرے ساتھ شان و شکوہ ہوں رواں
عزت و جاہ ہم قدم، فتح و ظفر رکاب میں
تجھ سے جہادِ حریت، تجھ سے حصولِ سلطنت
کشمکشِ حیات کا درس تری کتاب میں
غازیِ دیں ہے کوئی اور کوئی شہیدِ قوم
تیرے صلہ میں عز و جاہ، خلد ترے ثواب میں
تیرے ہی دم سے آبرو ہمت نوجواں کی ہے
سچ تو یہ ہے ترے بغیر لطف نہیں شباب میں
گلشنِ انقلاب کی بادِ بہاری جنگ ہے
کشمکشِ حیات کی آئینہ دار جنگ ہے

۲۔ صدائے بیداری

کھول آنکھ ذرا گلشنِ عالم کی فضا دیکھ
کس شان سے پھر صبح ہوئی جلوہ نما دیکھ

مُرغانِ چمن جوش میں ہیں محوِ ترنّم
آتی ہے ہر اک شاخ سے نغمہ کی صدا دیکھ!

رفتارِ نسیمِ سحری پہ تو نظر کر
وہ ناز سے آتی ہے چلی بادِ صبا دیکھ!

بستر پہ پڑا کس لئے ہر سو نگراں ہے
اُٹھ اور اُفقِ چرخ پہ سورج کی ضیا دیکھ

کچھ تجھ کو خبر بھی ہے کہ دُنیا ہوئی بیدار
غافل! چمنِ دہر کو اُٹھ کر تو ذرا دیکھ!

آتی ہے چپ و راست سے ہلچل کی صدائیں
ہے نعرہ زنِ عزمِ سفر بانگِ درا دیکھ!

اے نجم! درِ جود و کرم وا ہے اُٹھا ہاتھ
زنہار نہ کر دیر، یہ ہے وقتِ دُعا دیکھ!

۲۳۔ ولی الرحمٰن ولی کاکوی

۱۔ جلوۂ سحر

خاموش فضا میں وقتِ سحر جذبات کا دریا جاری ہے
اک کیف کا طوفاں اُمڈا ہے اک وجد کا عالم طاری ہے
وہ چاک ہوا دامانِ سحر وہ ظلمتِ شب کافور ہوئی
عالم عالم پُرنور ہوا دُنیا دنیا مسرور ہوئی
وہ کرنیں نور کی نکلی ہیں خورشید کے زرّیں ساغر سے
وہ بادۂ سُرخ جھلکتا ہے پھولوں کے رنگیں ساغر سے
وہ بادِ صبا مستانہ چلی وہ پتلی شاخیں ہلنے لگیں
وہ پتّے آ گئے جنبش میں وہ نازک کلیاں کھلنے لگیں
خاموشیٔ شب تحلیل ہوئی چڑیوں کی ترنّم ریزی ہیں
شبنم کی نظر افروزی ہیں پھولوں کی تبسّم انگیزی ہیں
ہر شاخ میں رنگا رنگی ہے ہر پھول میں بوقلمونی ہے
ہے ایک تناسب ہر شئے میں ہر چیز میں اک موزونی ہے
ہے جنّت گوش، اِک اِک نغمہ ہر منظر ہے فردوس نظر
پہلو میں دل گھنٹوں رقصاں احساس کا ہو کچھ ذوق اگر

اس وقت عروسِ فطرت کی زیبائش دید کے قابل ہے
ہر غمزہ اُس کا ظالم ہے ہر عشوہ اُس کا قاتل ہے
ہر سو ہے سعادت کی تابش ہر سمت ہے بارش رحمت کی
تنویرِ سحر ہے ایک ضیا رُخسار عروسِ فطرت کی
موسم نہیں خوابِ غفلت کا موقع نہیں سہل انکاری کا
اُٹھ اے غافل بیدار ہو اب ہے وقت یہی بیداری کا
پیغامِ عمل پھر لائی سحر پھر دُنیا اپنے کام میں ہے
سرگرم ہے کوئی طاعت میں اور کوئی شغلِ جام میں ہے

۲- پیغامِ حیات

یہ خموشی بے محل ہے یہ سکوں ہے نا روا
دے پیامِ زندگی اے شاعرِ رنگیں نوا
آشنائے رازِ فطرت ہے دلِ روشن ترا
دہر کی آلائشوں سے پاک ہے دامن ترا
دل کے آئینے میں پیدا جوہرِ سیماب کر
آپ بھی بیتاب ہو اوروں کو بھی بیتاب کر

گلشنِ امید پیدا کر دلِ افسردہ میں
زندگی کی لہر دوڑا دے عروقِ مردہ میں
اٹھ سکونِ خواب کب تک اب نہیں اس کا محل
بے عمل ہیں نوجواں دے ان کو اب درسِ عمل
گلشنِ ہستی میں ہو ہنگامہ آرائے حیات
نغمۂ بلبل ہے سرگرمِ تقاضائے حیات
امتحاں گاہِ عمل ہے یہ جہانِ بے بقا
عرصۂ پیکار ہے یہ خاکدانِ بے بقا
کوششِ پیہم میں ہے رازِ دوامِ زندگی
ہے یہی مئے در خورِ مینا و جامِ زندگی
یاس و حرماں رنج و غم ہیں قاطعِ نخلِ حیات
آرزو ہائے دمادم سے ہے زندہ کائنات
آرزو کی مے سے ہے روشن زندگی کا جام ہے
ناامیدی درحقیقت موت کا پیغام ہے
بے قرارِ آرزو انسان کا گر دل نہیں
دہر میں پھر زندگی کا حق اسے حاصل نہیں
کامرانی کا ذریعہ ہے جنونِ آرزو
پھونک دے کانوں میں سب کے اک فسونِ آرزو

ہاں لکھے جا اے وکیؔ نظمیں اسی انداز میں
سیکڑوں نغمے ہیں تیرے دل کے ٹوٹے ساز میں

۳- غزل

جہاں میں حوصلۂ عزّ و نام پیدا کر — پسِ فنا بھی بقائے دوام پیدا کر
جگر میں لذّتِ سوزِ دوام پیدا کر — "دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر"
برس پڑیں گی نگاہیں چہار جانب سے — فروغِ جلوۂ ماہِ تمام پیدا کر
نویدِ شوق تری رائگاں نہ جائیگی — مگر سلیقۂ عرضِ پیام پیدا کر
سکونِ ساحلِ دریا نہ ڈھونڈھ دریا میں — مثالِ موج جہندہ خرام پیدا کر
ہر ایک فرد ہو ملّت کا نازشِ دوراں — نظامِ دہر میں ایسا نظام پیدا کر
نہ ہو فریفتۂ ساغر و خُمِ مغرب — وطن کی خاک سے مینا و جام پیدا کر
خودی کی قوّتِ پنہاں سے کام لے ہمدم — دلوں میں غیر کے بھی احترام پیدا کر
پسند ہے تجھے کیوں پستیٔ زمیں آخر — فلک سے بھی کہیں اعلیٰ مقام پیدا کر
نظر نہ آئیں تجھے یوں جلوہ ہائے رنگارنگ — جدید ذوقِ طلبِ صبح و شام پیدا کر
ہے موت قطرۂ احقر کی دوریٔ دریا — برنگِ موج وصالِ دوام پیدا کر

وکیؔ بدل دے عروسِ غزل کا رنگِ کہن
مثالِ حضرتِ اقبال نام پیدا کر

سوانح عمریاں

اختر اورینوی

ان کا نام سیّد اختر احمد ہے اور اختر تخلص۔ موضع اورین ضلع مونگیر کے رہنے والے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد انھوں نے مونگیر ضلع اسکول، پھر سائنس کالج اور پٹنہ کالج میں تعلیم پائی اور ۱۹۳۶ء میں ایم۔ اے، پاس کیا۔ اِس وقت آپ پٹنہ کالج میں اُردو کے لکچرار ہیں۔

اختر صاحب بہار کے ایک کامیاب ادیب ہیں۔ ڈراما، افسانہ، تنقید، نظم، چاروں صنف میں آپ نے کافی مہارت حاصل کی ہے۔ اِن کے مضامین نظم و نثر اُردو کے موقر رسالوں میں برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ انھوں نے دورِ حاضرہ کے مغربی ادبیات خصوصاً انگریزی ادب کا غائر مطالعہ کیا ہے۔ لہذا اِن کے تنقیدی مقالات جدید رُجحانات کے حامل ہیں۔ اِن کا کلام رنگین اور جوش آفریں ہوتا ہے۔ اِن کا فلسفۂ عمل سر اقبال کے فلسفۂ عمل سے متاثر ہے۔ اِن کا ڈراما "شہنشاہِ حبشہ" ایک مقبول تصنیف ہے۔

حامد اللہ افسر

حامد اللہ نام۔ افسر تخلص۔ میرٹھ کے مفتی خاندان سے ہیں۔ میرٹھ کالج سے بی۔ اے، پاس کیا۔ آج کل گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج لکھنؤ میں اُردو کے پروفیسر ہیں۔

افسر جدید طرز کے ممتاز شاعروں میں ہیں۔ قومی جذبات کی نمائندگی، مناظرِ قدرت کی مصوری، زبان کی سلاست، آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔

آپ کا منظوم کلام "پیامِ روح" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال

محمد اقبال نام۔ اقبال تخلص۔ سر خطاب۔ ۱۸۷۵ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ وطن مالوف سیالکوٹ ہی ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اُس کے بعد ولایت چلے گئے۔ وہاں سے بیرسٹر اور فلسفہ کے ڈاکٹر ہو کر آئے۔ ابتدا سے طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی۔ ۱۸۹۹ء میں آپ نے ایک نظم "نالۂ یتیم" انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ اجلاس میں پڑھی۔ یہ نظم بہت مقبول ہوئی۔ اقبال کا شمار جدید طرز کے بہترین شاعروں میں ہے۔ آپ فارسی کے بھی بلند پایہ کے شاعر ہیں۔ اخلاقی، قومی و ملکی جذبات سے آپ کی نظمیں پُر ہوتی ہیں۔ آپ کے کلام

کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ شاعرانہ لطافت کے ساتھ فلسفیانہ مضامین ادا کرتے ہیں۔

آپ کے اُردو کلام کے مجموعے 'بانگ درا' 'بال جبریل' اور 'ضرب کلیم' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے انتقال کیا۔

اکبر الہ آبادی

سید اکبر حسین رضوی نام، اکبر تخلص، الہ آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے چھوٹی ملازمت سے ترقی پاتے ہوئے سب ججی کے عہدے پر مامور ہوئے سرکار سے 'خان بہادر' کا خطاب ملا۔ آپ موجودہ عہد کے اُن ممتاز شعرائے اُردو میں سمجھے جاتے ہیں، جنھوں نے زمانہ کے عام میلان اور جدید اثرات سے متاثر ہو کر شاعری کے لئے نئی راہیں نکالیں۔ آپ کے کلام میں سنجیدگی و ظرافت کی ایسی آمیزش ہے جو آپ کے ہمعصروں میں آپ کو ممتاز کرتی ہے۔ دقیق مسائل کو نہایت دلچسپ اور ظریفانہ پیرایہ میں نظم کرتے ہیں۔ اُردو میں انگریزی الفاظ نہایت عمدگی سے کھپاتے ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

بیدل عظیم آبادی

آپ کا نام عبدالمنّان ہے اور بیدل تخلص، آپ کا وطن پٹنہ کے

قرب وجوار میں ایک بستی ڈیانواں ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۸۹۴ء میں ہوئی۔ فارسی اور اُردو کی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے پٹنہ کالیجیٹ اسکول اور پٹنہ کالج میں انگریزی پڑھی اور ۱۹۱۷ء میں ایم۔ اے، پاس کیا۔ تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر کچھ دنوں تک آپ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس رہے۔ پھر ۱۹۱۹ء میں آپ نیو کالج پٹنہ میں فارسی و اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے اور جب ۱۹۲۷ء میں نیو کالج، پٹنہ کالج میں منتقل ہو گیا تو ساتھ ساتھ آپ بھی پٹنہ کالج آ گئے اور اب اس وقت آپ شعبۂ فارسی کے صدر ہیں۔

آپ کو تقریباً تیس سال سے شعر و شاعری کا ذوق ہے۔ لہذا آپ کی شاعری میں ایک کہنہ مشق اُستاد کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ بقول پروفیسر اختر اورینوی (ملاحظہ ہو نگار بابت اگست ۱۹۳۹ء) آپ کی شاعری کی بنا تجربہ اور تخیل پر ہے۔ آپ کے کلام میں درد۔ سوز۔ سرور و نشاط کی دلکش آمیزش ہے۔ اکثر جگہ متین شوخی اور لطیف مزاح کی چاشنی بھی موجود ہے۔ پیرایۂ بیان میں ندرت و جدت اور زبان میں شادابی و شگفتگی ہے۔

حضرت بیدل اُن مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے عصر حاضر میں صوبۂ بہار میں اُردو ادب خصوصاً اُردو شاعری کی آبیاری کی اور یہاں اُس کا صحیح مذاق قائم رکھا۔ اب سے چند سال پہلے آپ نے نوجوان شعرا کا ایک حلقہ قائم کیا تھا۔ اور اپنی زیر نگرانی اُن کے ذوقِ ادب کی صحیح رہنمائی کی۔ چنانچہ موجودہ دور کے بہت سے نوجوان شعرا بیدل صاحب سے متاثر ہیں۔

آپ کی تالیفات میں سے اشعار ذوق، اشعار میر، اشعار مومن نظم جلد یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہیں۔

حضرت تمنا عمادی پھلواروی

آپ کی پیدائش ۱۴ر شوال ۱۳۰۶ھ کو سنیچر کے دن بمقام قصبہ پھلواری ضلع پٹنہ ہوئی تھی۔ آپ کے والد حضرت مولانا سید شاہ محمد نذیر الحق فائز عمادی مجیبی پھلواری رحمۃ اللہ علیہ بہت مشہور عالم اور فارسی کے بے مثل شاعر تھے۔ اُردو بھی فرماتے تھے۔

آپ نے جو کچھ پڑھا تقریباً اپنے والد مرحوم ہی سے پڑھا یعنی اور کبھی چند بزرگوں کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا مگر محض تھوڑے ہی دنوں کے لئے۔ طب اور عربی ادب میں اپنے خالو مولانا حکیم علی نعمت پھلواری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک کافی حد تک استفادہ کیا۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنا فارسی اور کچھ عربی کلام بہ نظر اصلاح کئی بار بھیجا مگر مولانا نے اصلاح سے کبھی سرفراز نہ فرمایا۔ ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۲۶ھ تک اپنے اُردو کلام اور کچھ فارسی بھی ایک دوست کے مشورے کے مطابق مولانا عبدالاحد شمشاد لکھنوی فرنگی محلی مینجر مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور کی خدمت میں بھیجتے رہے اور وہ بڑی شفقت سے اصلاح فرماتے رہے۔ آپ مسلسل چودہ برس تک مدرسۂ مجیدیہ حنفیہ پٹنہ سٹی میں درس بھی دیتے رہے۔

عربی شعر و سخن کا مذاق بہت رہا۔ ایک مجموعہ سات آٹھ جُز کا موجود

ہے جس میں عربی کی نظم و نثر مجتمع ہے۔ فارسی کا ایک دیوان دو سو غزلوں سے زیادہ کا مرتب ہے۔ تین مثنویاں ایک بحر میں ہیں جن کے کل دو ہزار سے زیادہ اشعار ہیں۔ جن میں دو مثنوی "مذہب و عقل" اور "معاش و معاد" چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ "جواہر الصّرف" "روح النّحو" اور "جواہر الادب" یہ تین مجموعے عربی گرامر کے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ بعض مستقل رسالے بھی عربی زبان میں منطق وغیرہ میں اور بعض اردو میں فنِ تفسیر وغیرہ پر ہیں۔ علمِ عروض اور قوافی میں مجتہدانہ عبور رکھتے ہیں۔

آپ کی نعتیہ مشغولیتوں کو دیکھ کر آپ کے عمِ محترم اور پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ رشید الحق عمادی مجیبی سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ مجیبیہ (پٹنہ سٹی محلہ منگل تالاب) قدس سرہٗ نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ آپ کو حسّان الہند کہنا چاہیئے اور آپ کو بہت کچھ دعائے برکت دی۔ اسی زمانہ سے آپ کے مخلص آپ کو حسّان الہند کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

جمیل مظہری

اِن کا نام کاظم علی ہے۔ ادبی دنیا میں جمیل مظہری کے نام سے معروف ہیں، صوبہ بہار کے سارن ضلع میں حسن پورہ ایک قصبہ ہے، وہیں ۱۹۰۵ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے ابتدا سے لے کر ایم۔ اے۔ تک اپنی تعلیم کلکتہ میں مکمل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر آپ نے اردو صحافت کی طرف توجہ مبذول کی اور عرصے تک آپ کلکتہ کے مختلف موقر اخباروں کی ایڈیٹری

کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں جب بہار میں کانگریسی وزارت قائم ہوئی تو آپ کی صلاحیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے حکومت نے آپ کو اردو پبلسٹی آفیسر مقرر کیا۔ جس کے فرائض آپ بحُسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

جمیل صاحب کو ادبی ذوق فطرت کی طرف سے عطا ہوا ہے، اور شاعری کے میدان میں بھی آپ نوجوان شعراء میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کا شمار ترقی پسند ادیبوں میں ہے۔ اور آپ کا مقصد اردو ادبیات کو رومانوی عنصر سے پاک کرکے زندگی کے قریب تر لانا ہے۔ شاعری کو آپ ترقی پسند خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اسی نصب العین کی ترویج کے لئے آپ نے ۱۹۳۶ء میں اپنی سعی اور اہتمام سے آل انڈیا اردو لٹریری کانفرنس منعقد کی تھی اور اسی کی مجلس استقبالیہ کا صدر آپ ہی کو بنایا گیا تھا۔

شبیر حسن جوش ملیح آبادی

شبیر حسن نام، جوش تخلص، ملیح آباد ضلع لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان عرصے سے علمی و ادبی خدمات انجام دے رہا ہے۔ چنانچہ فقیر محمد خاں گویا جن کی بستانِ حکمت یادگار ہے اور ایک دیوان بھی موجود ہے، آپ کے پردادا تھے۔ آپ کے دادا محمد خان احمد بھی صاحب دیوان ہوئے ہیں۔

ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد لڑکپن ہی میں والد کا انتقال ہوگیا۔ اس لیے یہ اعلیٰ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ لیکن فطری ذہانت

اور خداداد قابلیت اور ذکاوت کی وجہ سے ممتاز شعراء میں ان کا شمار ہونے لگا۔ کیونکہ انھیں بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور مکتب میں بھی شعر و سخن کی مشق جاری رہی۔

عرصہ تک دار الترجمہ حیدرآباد میں عربی نقاد کی حیثیت سے کام کرتے رہے لیکن آج کل وطن ہی میں ہیں اور ایک رسالہ جاری کیا ہے۔

کلام میں رنگینی، دلکشی، جدت، تشبیہات میں ندرت ہے۔ ایک قسم کا جوش اور زور ضرور پایا جاتا ہے۔ غزلوں میں سوز و گداز ہے۔ بندش میں چستی ہے۔ ابتذال اور سوقیانہ پن سے کلام پاک ہے۔ عربی فارسی کے ثقیل الفاظ بھی آپ نے استعمال کئے ہیں۔ غزلوں کے علاوہ نظمیں کثرت سے موجود ہیں۔ جن میں اصلاحی اور اخلاقی رنگ جھلکتا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی نام تھا۔ جوہر تخلص۔ ہندوستان کا کون ایسا شخص ہوگا جس نے بدقسمتی سے آپ کا نام نہ سنا ہو۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڈھ سے بی۔ اے، پاس کیا اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے خاندان میں شعر و شاعری کا بہت چرچا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ "میں شعر و سخن کی گود میں صرف پلا ہی نہیں ہوں بلکہ اُس کی توند پر کودا ہوں۔ اُسے ہاتھی بنا کر پیٹھ پر سوار ہوا ہوں۔ غرض کوئی بے ادبی یا گستاخی ایسی باقی نہیں رہی جو میں نے

شعر وسخن کی شان ہیں نہ کی ہو۔"

آپ انگریزی کے بہت بڑے عالم تھے۔ اُردو میں "ہمدرد" انگریزی میں "کامریڈ" اخبار ایک عرصہ تک شائع کرتے رہے۔ آپ کی عمر کا زیادہ حصہ قید میں بسر ہوا۔ کیونکہ آپ سیاست کے بڑے مردِ میدان تھے۔ لندن میں ۴ جنوری ۱۹۳۱ء میں انتقال ہوا۔ بیت المقدس میں مزار ہے۔

آپ کا کلام حقیقی عشق اور جذبات سے لبریز ہے۔ قومی جذبہ بھی درد اور سوز وگداز بدرجۂ اتم موجود ہے۔

چکبست

پنڈت برج نرائن نام۔ چکبست خاندانی لقب تھا۔ کشمیری برہمن تھے۔ فیض آباد اودھ میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ کینگ کالج سے بی۔ اے، پاس کیا۔ اور قانون کا امتحان پاس کرکے وکالت کرنے لگے۔

آپ کی غزل پر آتش اور مسدس پر انیس کا رنگ غالب ہے۔ لطافتِ زبان کا آپ بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ کا منظوم کلام "صبحِ وطن" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ چوتیس سال کی عمر میں آپ نے ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا۔

مولانا فضل الحسن حسرتؔ موہانی

مولوی فضل الحسن نام۔ حسرتؔ تخلص۔ سید اظہر حسین صاحب کے صاحبزادے، موہان ضلع اناؤ کے رہنے والے ہیں۔ موہان ہی میں ۱۸۷۵ء

پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ پھر تعلیم کی تکمیل کے لئے علی گڑھ کالج گئے، وہاں سے ۱۹۰۳ء میں بی۔ اے، پاس کیا۔

طالب علمی ہی کے زمانہ سے شعر و شاعری سے شوق تھا۔ کالج سے فراغت حاصل کرنے کے بعد علمی و ادبی خدمات کی طرف متوجہ ہو گئے۔ امیر اللہ تسلیم کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ ایک عرصہ تک اُردوئے معلّی نامی رسالہ جاری کرکے ادبِ اُردو کی خدمت کرتے رہے۔ فنِ تنقید میں خوب مہارت حاصل کی۔ ان کا شمار اُردو کے بہترین پُرگو شعراء میں ہے۔ اِن کے اب تک کئی دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ دیوانِ غالب کی شرح بھی آپ نے اعلیٰ درجے کی کی ہے۔ اور ایک تذکرۃ الشعراء بھی مرتب کیا ہے۔

کلام میں درد و اثر، خیالات میں پاکیزگی۔ زبان میں صفائی موجود ہے۔ روانی و شگفتگی نمایاں ہے۔ عام طور سے عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

حفیظ جالندھری

۱ ابو الاثر حفیظ جالندھری شہر جالندھر (پنجاب) کے رہنے والے ہیں جہاں آپ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ چوہان سورج بنسی راجپوت خاندان سے ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد آج سے تقریباً دو سو سال پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم جالندھر میں ہوئی۔ بچپن ہی سے اُردو زبان اور شاعری سے آپ کو فطری مناسبت تھی۔ گیارہ

سال کی عمر میں آپ نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کو فارسی کے باکمال شاعر مولانا قادر گرامی مرحوم سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ۱۹۲۵ء میں ریاست خیرپور (سندھ) کے فرمانروا نے آپ کو اپنا درباری شاعر مقرر کیا لیکن آپ کو یہ زندگی پسند نہ آئی اور آپ جلد ہی اس سے علیحدہ ہو گئے۔ بعدازاں آپ نے اسلامی تاریخ کو نظم کرنا شروع کیا جو آپ کی شہرت کا باعث ہوا۔ اور ۱۹۳۴ء میں گورنمنٹ نے اس خدمت کے صلے میں آپ کو "خان صاحب" کا خطاب عطا کیا۔ مسلسل دماغی محنت اور بعض المناک حادثوں کی وجہ سے آپ کی صحت خراب ہو گئی ہے اور ڈاکٹروں کے مشورے سے آپ انگلستان بھی تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت آپ شاہنامۂ اسلام کی تدوین میں مصروف ہیں۔

حفیظ صاحب کی شاعرانہ سرگرمیوں کی زرّیں پیداوار "شاہنامہ اسلام" ہے جس کی اب تک تین جلدیں شایع ہو چکی ہیں۔ اس میں آپ نے اسلامی تاریخ کے معتبر واقعات کو صحیح جذبات کے ساتھ قلمبند کر کے فارسی کے شہرۂ آفاق شاعر فردوسی کی طرح کمال شاعری نمایاں کیا ہے۔ تمام کلام روانی، زور، جوش، شان و شوکت، سادگی اور لطافت سے مملو ہے۔ نئی ترکیبیں اور اچھوتی تشبیہیں آپ کی خاص چیزیں ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے بہت سی دوسری نظمیں و گیت بھی لکھے ہیں جو اردو میں نئی چیز ہیں۔ یہ نظمیں اور گیت بجا رنگین نہایت کیف اور نغمہ آفریں ہے۔

سرور جہان آبادی

درگا سہائے نام، سرور تخلص، قصبہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت کے رہنے والے تھے ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۰ء میں انتقال ہو گیا۔

سرور کی شاعری زیادہ تر نیچرل ہے۔ مشرقی خیالات وجذبات کی رنگینیوں نے اس کو اور بھی دلکش بنا دیا ہے۔

شاد عظیم آبادی

علی محمد نام، شاد تخلص۔ آپ کے والد سید عباس مرزا الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ پٹنہ عظیم آباد چلے گئے۔ وہیں ۱۸۴۶ میں شاد پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عربی فارسی میں خاصی استعداد پیدا کر لی۔ وزیر علی عبرتی اور مولانا میر تصدق حسین زکی سے آپ نے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ ۱۸۹۱ء میں گورنمنٹ نے آپ کو خان بہادر کا خطاب عطا فرمایا اور آنریری مجسٹریٹ بھی مقرر کر دیا اور سرکار سے ایک ہزار روپیہ سالانہ آپ کے لیے مقرر ہوا۔

آپ کا کلام نہایت شیریں اور سادہ ہے۔ مشکل سے مشکل مسائل آپ روزمرہ بول چال اور عام فہم الفاظ میں نظم کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں فلسفہ، تصوف اور اخلاق کا عنصر موجود ہے۔

مرثیوں میں میر انیس کا رنگ نظر آتا ہے۔

آخر کار ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں ۸۳ برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

شمس منیری

آپ کا نام حافظ شمس الدین احمد ہے۔ اور شمس تخلص۔ وطن منیر شریف ضلع پٹنہ ہے جہاں آپ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرحوم ریاست گوالیار میں مدتوں تک بہ سلسلہ ملازمت سکونت پذیر رہے تھے وہیں آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت پائی اور اُردو زبان اور محاوروں پر خاص عبور حاصل کیا۔ بی۔ اے، بھی وہیں سے پاس کیا۔ پھر بہار آئے اور پٹنہ کالج سے ایم۔ اے اور بی۔ ایل کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں آپ جی۔ بی۔ بی کالج مظفر پور میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر ۱۹۲۴ء میں راونشا کالج کٹک (اڑیسہ) میں قانون کے پروفیسر ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں پٹنہ کالج میں فارسی و اُردو کے پروفیسر مقرر ہو کر آئے اور اس وقت پٹنہ کالج اور پٹنہ یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے صدر ہیں۔

آپ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ آپ کو شاعری سے فطری لگاؤ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس فن میں کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ اُردو ادبیات کے علاوہ انگریزی ادبیات سے بھی کافی ذوق

ہے۔ آپ کے تبحرِ علمی اور کمالِ شاعری کا ہر شخص معترف ہے، نظم نویسی سے زیادہ غزل گوئی کی طرف طبیعت مائل ہے۔ کلام سلیس اور بامحاورہ ہوتا ہے، تخئیل کا اعتدال، اچھوتا پن اور رنگینی، طرزِ بیان کی سادگی اور زور، ہلکی شوخی اور لطیف اشارے، زبان کی صفائی اور روانی، آپ کے کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

منشی احمد علی شوق قدوائی

احمد علی نام تھا۔ شوق تخلص۔ اِن کے والد کاظم علی قدوائی قصبہ جگور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے۔ یہ ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی۔ اس کے بعد ریاست رام پور میں طالب علمی کرتے رہے۔ شعر گوئی میں سید مظہر علی اسیر کے شاگرد تھے۔ لکھنؤ سے "آزاد" نامی ایک اخبار جاری کیا تھا۔ اُس کے بعد پرتاب گڑھ اور بھوپال میں ملازم رہے۔ آخری زمانہ میں ریاست رام پور چلے آئے۔ اور دفتر امیر اللغات میں علمی کام انجام دیتے رہے۔ "عالم خیال"، مثنوی ترانۂ شوق، قاسم و زہرہ، ڈراما آپ کی یادگار ہے۔ آپ کا دیوان بھی شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

کلام میں سادگی و دلکشی ہے۔ جذبات نگاری کے بادشاہ ہیں۔ نظموں کے کہنے والے شاعروں میں آپ کا کلام جداگانہ ہے۔ جذبات کی سچی تصویر کھینچنا آپ ہی کا کام تھا۔ آپ کی نظموں میں مضامین کی

جدّت، زبان کی سلاست، کلام کی فصاحت بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

ڈاکٹر عظیم الدین احمد

آپ کا نام عظیم الدین احمد اور تخلّص عظیم ہے۔ آپ شہر پٹنہ کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے نانا مولوی عبدالحمید مرحوم شہر کے نامی گرامی طبیب تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔ عربی اور فارسی اور علمِ طب آپ نے اپنے نانا مرحوم سے پڑھا۔ ان سے فارغ ہو کر اینگلو عربک اسکول پٹنہ سٹی اور پٹنہ کالج میں آپ نے انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں آپ شہرۂ آفاق خدا بخش خاں اورینٹل پبلک لائبریری میں کیٹلاگر مقرر ہوئے۔ یہاں آپ کی علمی صلاحیتیں نمایاں ہوئیں۔ گورنمنٹ نے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسٹیٹ اسکالرشپ دے کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آپ کو ولایت بھیجا۔ چنانچہ آپ ۱۹۰۹ء میں جرمنی تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے لیزگ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ولایت سے واپسی کے بعد کچھ دنوں تک پھر خدا بخش لائبریری میں کیٹلاگر رہے۔ بعد ازاں ۱۹۱۴ء میں ۱۹۱۹ء تک اورینٹل کالج لاہور میں السنۂ شرقیہ کے پروفیسر رہے۔ پھر ۱۹۲۰ء میں آپ پٹنہ کالج میں شعبۂ عربی، فارسی و اردو کے صدر مقرر ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں آپ اس عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

آپ کو عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں پر کامل عبور ہے، اور مذہب و فلسفہ سے بھی خاص دلچسپی ہے۔ آپ نے اقوام و افراد کی زندگی کا غائر مطالعہ کیا ہے اور اس مطالعہ سے جو تاثرات آپ کے دل پر مترتب ہوئے ہیں۔ آپ کی نظمیں اُن کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اِن نظموں میں سے اکثر نظمیں صدائے خاموش' کے نام سے اُردو کے معیاری رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی شاعری، سعی، عمل اور عزم تسلط کا پیام ہے۔ کلام میں علامہ اقبال مرحوم کی شاعری کی شوکت و عظمت ہے۔ آپ کو مناظر فطرت کی نقشہ کشی میں بھی خاص مہارت ہے۔ آپ کی نیچرل نظمیں واقعیت و حقیقت سے لبریز ہیں۔ غزلیں حقیقی کیفیات اور دلی جذبات کا آئینہ ہیں۔ اچھوتی تشبیہیں۔ نادر استعارے۔ مترنم بحریں آپ کے کلام کا زیور ہیں۔ آپ کے کلام کا مجموعہ "گُلِ نغمہ" کے نام سے حال ہی میں چھپا ہے۔

کُشتہ گیاوی

اودھ کشور پرشاد کُشتہ گیاوی صوبہ بہار کے معروف لوگوں میں سے ہیں اور ان کے والد اور دادا گیا کے نامی وکیلوں میں سے تھے۔ اِن کی پیدائش گیا میں ۱۸۹۳ء میں ہوئی اور بی۔ اے تک تعلیم پانے کے بعد انھوں نے بھی ۱۹۱۸ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور جب سے گیا میں وکالت کر رہے ہیں اور اپنے پیشے میں کامیاب

ہیں۔ قومی کاموں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ تین سال تک گیا میونسپلٹی کے چیرمین بھی رہے۔

شعر و سخن کا ذوق انھوں نے کالج کی زندگی میں حاصل کیا، پہلے ڈراما نویسی سے زیادہ شوق تھا۔ چنانچہ زمانۂ طالب علمی ہی میں انھوں نے دو اخلاقی ڈرامے "چھپی کٹاری" اور "انوکھی برچھی" لکھے جو پسندیدہ عام ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ڈرامے لکھے ہیں جو شائع نہ ہو سکے۔ ان کو ڈراموں میں ایکٹ کرنے کا بھی خاص سلیقہ ہے۔ تھیٹر میں پارٹ ادا کرنے کے علاوہ انھوں نے "پوتر جنم" نامی فلم میں بھی ہیرو کا پارٹ حُسن و خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے اور اس فلم کا سیناریو بھی ان ہی کی مدد سے لکھا گیا تھا۔

کُشتہ صاحب کو شاعری سے فطری لگاؤ ہے، اور وہ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی کے شاگردوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ کلام میں سادگی اور پاکیزگی ہے۔ شعر پڑھنے کا ڈھنگ بھی انوکھا ہے۔ مشاعروں میں ان کی شرکت باعث رونق ہوتی ہے۔ اور صوبۂ بہار کے علاوہ یو۔ پی کے اکثر مشاعروں میں ان کو خاص طور سے مدعو کیا جاتا ہے۔ ۱۹۳۶ء میں بنارس میں جو آل انڈیا مشاعرہ ہوا تھا اُس کی صدارت کشتہ صاحب نے ہی کی تھی۔

تلوک چند محروم

تلوک چند نام، محروم تخلص۔ عیسیٰ خیل مُلک پنجاب وطن ہے۔

۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کے کلام میں ادبی، اخلاقی اور قدرتی مناظر کی نظموں کا ذخیرہ کافی موجود ہے۔ غم و اندوہ کے جذبات بڑی خوبی سے نظم کرتے ہیں۔ آپ کا کلام زبان کی صفائی، سلاست اور طرز بیان کی سنجیدگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ روانی اور برجستگی کلام میں نمایاں ہے۔ غرض اُردو داں طبقہ میں آپ کی نظمیں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

مسلم عظیم آبادی

محمد مسلم نام۔ مسلم تخلص۔ آپ کی سکونت صادق پور عظیم آباد کا ایک مردم خیز و مشہور محلہ ہے۔ یہاں آپ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے صادق پور کے مدرسے میں حاصل کی جو اس وقت بذات خود ایک جامعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ فارسی و عربی علوم کی تحصیل سے فارغ ہو کر آپ نے انگریزی کی طرف توجہ کی اور اینگلو عربک اسکول پٹنہ سٹی، بی۔ این۔ کالج پٹنہ، پریسیڈنسی کالج کلکتہ مختلف درسگاہوں میں تعلیم پائی۔ پھر آپ نے اورینٹل کالج لاہور سے ایم۔ اے، ایم۔ او۔ ایل اور "فاضل" کے سندات حاصل کئے۔ اس وقت آپ سینٹ کولمباز کالج ہزاری باغ (بہار) میں فارسی و اُردو کے پروفیسر ہیں۔

مسلم صاحب اُردو کے ایک کہنہ مشق ادیب ہیں۔ آپ کے ادبی

وتنقیدی مضامین "مخزن" لاہور، الناظر لکھنؤ، جامعہ دہلی، ساقی دہلی وغیرہ
میں شائع ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ شاعری کا ابتدا ہی سے ذوق رہا
اور اس سلسلے میں آپ نے شاد عظیم آبادی سے اصلاحیں لی ہیں۔ آپ نیچرل
شاعری کے حامی ہیں۔ تغزل آپ کو پسند نہیں ہے، آپ کو افسانہ نگاری
کا بھی شوق ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے معتقدات عجم، فارسی علوم اور
اسلام، اور انڈو ایرین فائیلالوجی بہت مشہور ہیں۔

سید نجم الہدیٰ عظیم آبادی

سید نجم الہدیٰ صاحب نجم گیلانی کا وطن ضلع پٹنہ کی ایک بستی گیلان ہے
جہاں آپ ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے فارسی اور اُردو کی ابتدائی
تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر پٹنہ کالجیٹ اسکول سے میٹرک پاس کیا اور ۱۹۲۰ء
میں پٹنہ کالج سے فارسی میں فرسٹ کلاس آنرز کے ساتھ بی۔ اے، کی ڈگری لی۔
بعدازاں پٹنہ کالج سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ تحصیل علم سے فارغ ہوکر
چھ سال تک عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں تاریخ کے پروفیسر رہے، لیکن
آب وہوا کی ناموافقت اور خرابی صحت کے باعث اس ملازمت سے علیحدہ
ہوگئے اور پٹنہ چلے آئے۔ یہاں کئی سال تک وکالت کی، اس دوران میں قومی
سرگرمیوں اور صوبہ بہار کی سیاسیات میں نمایاں حصہ لیتے رہے اور اس سلسلے میں
انھوں نے ایک انگریزی اخبار بنام "پروگریس" اور ایک اُردو اخبار "پیغام" نامی
نکلا جن کی ایڈیٹری کے فرائض خود انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں پٹنہ کالج میں

اُردو کے لکچرر مقرر ہوئے۔ ہندوستانی زبان کی تدوین و توسیع کے لئے بہار کی کانگریسی حکومت نے جو ہندوستانی کمیٹی مقرر کی ہے اُس کے سکریٹری کے اہم فرائض نجم صاحب ہی انجام دے رہے ہیں۔

شاعری کا شوق اِن کو بچپن ہی سے ہے لیکن غزل گوئی مرغوب نہیں۔ صرف نظم نگاری سے ذوق ہے۔ کالج کی تعلیم کے زمانے میں انھوں نے بعض نظموں پر علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم سے اصلاح لی ہے نظمیں زیادہ تر قومی اور سیاسیات کی ہیں جو جوش، ولولہ اور زور سے لبریز ہیں۔

ولی کاکوی

نام سید شاہ ولی الرحمن ہے اور ولی تخلص ۱۹۰۲ء میں قصبہ کاکو ضلع گیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر پر پائی عربی و فارسی پڑھ لینے کے بعد حافظ قرآن ہوئے۔ پھر انگریزی شروع کی۔ شروع سے اپنی کلاسوں میں ممتاز رہے ۱۹۲۶ء میں پٹنہ کالج سے ایم۔ اے کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا اور ۱۹۲۷ء سے ڈپٹی مجسٹریٹی کے عہدہ پر فائض ہیں۔

ولی صاحب کو شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ کتب بینی کا خاص شغف ہے، طبیعت ادب و تنقید کی طرف مائل ہے، شاعری میں اُن کو حضرت شاد عظیم آبادی سے شرف تلمذ حاصل ہے اور اُن کی نظمیں اور غزلیں پُر کیف و رنگین ہوتی ہیں، انگریزی نظموں کو اُردو نظم میں بیساختہ ترجمہ کر لینے کا بھی خاص سلیقہ ہے۔ نثر لکھنے میں بھی کافی مہارت ہے۔

DUE DATE

٨٩١٤٣٣١٠٨   ع٣٣٤س

(ج٠١ر)

٣ ٢ ٢ ١ ٣

Date	No.	Date	No.